

یہ کتاب کا نام ہے

جلد ۳ بابت ماہ جون ۱۹۰۴ء نمبر ۶

فہرست مضامین

بے عیب بنی اور زندہ بنی ۱۸۵-۱۹۷ | افغانوں اور کشمیریوں کی اصل ۲۰۱۹

حضرت موعودؑ کی ایک تقریر کا خلاصہ ۱۹۷۷ء
 یسوعؑ کی حقیقی موت پر علمی نظر ۲۲/۲۳

قادیان ضلع گورداسپور سے ۲۰ جون سنہ ۱۹۷۷ء کو شائع ہوا۔ پندرہ سالانہ اردو پرچہ.....

”تفسیر سورہ جمعہ“

نور فرقان ہے جو سب نوروں سے اجلا نکلا، پاک وہ جس سے یہ انوار کا دریا نکلا
یا الہی تیرا فرقان ہے کہ اک عالم ہے، جو ضروری تھا وہ اس میں مہیا نکلا
سب جہان چھان چکساری، کانیں کھیرنے کے عرفان کا یہی ایک شیشہ نکلا
کس سے اس نور کی ممکن ہے جہانیں شیشہ، وہ تو ہر بات میں ہر صف میں نکلا

”اعلان“

مجھے اس رسالے کے متعلق کچھ کہنے کی خصوصاً احمدی جماعت کو ترغیب خریداری کے لئے مطلق ضرورت
نہیں کیونکہ وہ محض بفضل خداوند کریم و البقیل سیدنا جناب حضرت مسیح موعودؑ نوراً من اللہ الاصل الصمد آرا
کریم کی غفلت اور اسکو سمجھ کر پڑھنے کی ضرورت اور فائدے کو ایک حد تک بخوبی سمجھنے لگی ہے، مگر انکی حد تک
صرف اتنا ہی عرض کر دینا ہے کہ اول تو یہ کلام پاک حضرت خداوند احدیت کے دوم اسکا مفسر انبیاء کا وہ
منظور شخص ہے جسکی علمی قابلیت علمی خصوصیت احمدی جماعت کو علاوہ فی الف ہندوستان میں بلکہ اکثر بلاد
غیر میں بھی مسلم ہو۔ سوئم یہ سورہ پاک جسکی تفسیر کا اعلان آپ کے رو بہ ہو۔ کلام خداوند کریم الرحمن الرحیم کا وہ عجیب
غریب ہے جسکا پڑھنا سمجھنا سمجھنا ہر ایک مومن کی زندگی کا پہلا فرض معلوم ہوتا ہے خود غسر سورہ صوف و خدا کی
لاکھ لاکھ رحمتیں لگو شامل ہوں) نے اس سورہ مبارک کی تفسیر کرتے ہوئے در دل سے کچھ فرمایا ہے وہ یہ تفسیر
میں ملاحظہ فرمائیگا اسکے بعد خدا تعالیٰ کے فضل سے اگر آپکا دل رقت اور جوش سے گواہی دے گا تو اس بات کی ضرورت
محسوس ہوگا اسکی اشاعت کی ملک میں ہیجہ فرد شے تو آپکا یہ سب کا اہم فرض ہونا چاہئے کہ تفسیر آج سے ہو کر
خواہ خود خرید کر خواہ ترغیب و کیر خواہ اعلان کر کے اپنی تمام دوستوں ملاقاتیوں۔ رشتہ داروں۔ عزیزوں وغیرہ
کے ہاتھ اسکی ایک ایک کاپی پہنچا دیں۔ والسلام۔ و ما علینا الا البلاغ۔

قیمت ہر ایک کا تعداد حسب ذیل ہے

ایک جلد ۴۰۰۰۰ ایک جلد کے خریدار کو جمعہ محصولہ ایک وغیرہ۔ ہر کتاب کے ذریعہ تقاضہ میں بند کر کے بھیجنا
پانچ جلد ۲۰۰۰۰ ہر ذریعہ ویڈیو پے ایبل پارسل روانہ ہوگی۔

دس جلد ۸۰۰۰
پچیس جلد ۴۰۰۰

درخواستیں پتہ ذیل پر آنی چاہئیں

علیم محمد حسین قریشی۔ کارخانہ رفیق الصحت حویلی کابلی مل لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ و نصلی علی سؤلہ الکریم بے عیب نبی اور زندہ نبی

اس میں ہم یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ اس نبی نے خود کیا دعویٰ کیا اس کی قوم نے اس کی نسبت کیا شہادت دی۔۔۔ اس نے کارروائی کیا کی کیسے وقت میں وہ آیا اور کس حالت میں اس دنیا سے گیا۔ اس نے اپنی دائمی زندگی کا ثبوت اور نشان کیا چھوڑا۔ یہ پانچ باتیں ہیں جن پر ہم فقہراً لکھنا چاہتے ہیں والموفق ہو اللہ سبحانہ و تعالیٰ۔

پہلی شق میں ہم دو طرح پر نظر کرتے ہیں۔ اول یہ کہ وہ کس طرح فوق العادت قوت اور یریں سے اپنے وجود اور اسکے متعلقات کو سوسائٹی کے عرف اور مسلم قوانین کے معیار کے آگے پیش کرتا ہے۔ دوم یہ کہ اخلاق اور روحانیت اور عقائد کے میدان میں کس طرح اپنے تئیں اپنی صداقت اور حقیقت کے دلی حقائق اور بصیرت کے تصور سے جلوہ گر کرتا ہے پہلی بات کے ثبوت کے لئے یہ آیت وقد لبثت فیکم عمراً من قبلہ اقل من ثقلون ایسی لائظیر دلیل ہو کہ کسی مصلح اور مامور کی لایف میں کسی ملت و مذہب کا کیون نہ ہو سکی مثل تلاش کرنا پوری ناکامی اور نامرادی کے ساتھ تھک کر رہ جانا ہے۔

ایک شخص ایک غیور اور جنگی قوم اور بکبر کے خیر سے تیار شدہ قوم کے معروف مسلم عقائد اور صدیوں کی مالوف رسوم اور ان کے قابل عزت معبودوں کی امانت اور بیچ گئی کتا اور اس اثنا میں انہیں اشتغال پر اشتغال دلاتا ہے کہ ہر قسم کے عرفی پہلوؤں سے اس کا مقابلہ کریں اور اس کے مغلوب کر نیکی کے لئے متفق اور منفرد کوششوں اور منصوبوں کو جمع کریں۔ اور مخالفین بھی رات دن اسی تھک کوشش میں ہیں کہ اس کے طعنے چھلک کر نیکی کے لئے کوئی ایک سوراخ نہیں ہے انہیں بجائے ایسی حالت میں یہ دعویٰ کرنا کہ میں عمر کا بڑا حصہ یعنی چالیس سال تک اس عظیم الشان دعویٰ سے پہلے تم میں گزار چکا ہوں اقل من ثقلون یعنی اس پر بھی تم اپنی عقول کی طرف رجوع نہیں کرتے کیا تمہاری دانش اور زمانہ کے عرف سے واقف عقلیں اس نتیجہ پر پہنچ نہیں سکتیں کہ اتنے دراز عرصہ تک اور ایسی عمر میں جو جذبات جوانی اور جوش و کمال کا وقت ہوتا ہے کوئی جھوٹ اور افترا اور بددیانتی اور بدچلنی کا کوئی الزام جس شخص کے ذمہ عائد نہ ہو سکتا ہو کیا وہ اب ہی کذب اور افترا کا مرتکب ہو گا۔ اس آیت میں عجیب بات یہ ہے کہ مٹی

دعوے کے بعد اپنی صداقت اور حقیقت کے ثبوت اور ذہن نشین کرنے کے لئے عقول سلیمہ کے آگے لیبل کرتا ہے اس لیبل سے ایک شخص جو دل کے انفعالات اور کیفیات کا علم رکھتا ہے یقینی طور پر اس نتیجہ پر پہنچ جاتا ہے کہ مدعی کے دلیمن کس زندہ احساس اور ناقابل تردید شے سے یقین اور عرفان بھرا ہوا ہے کہ وہ بے عیب ہے اور وہ یقین رکھتا ہے کہ اس کی زندگی کی کتاب کے اوراق ایسے جلی اور بے باغ ہیں کہ اس کی راستی پر ایمان لائیکے لئے اسکا ایک دفعہ مطالعہ کرنا کافی معلم اور رہنما ہو گا۔

ہم بالفعل اس ہیبت انگیز دعوے کو مذاہب کے حامیوں کے آگے پیش کرتے اور کشادہ دلی سے درخواست کرتے ہیں کہ دلائل سے قطع نظر کر کے وہ اپنی کتابوں سے اپنے مسلم مقتداؤں کے موہنوں اس دعوے کی مثل دکھائیں میں نے بار بار اس میں غور کی ہے کہ خدا تعالیٰ کی مبارک اور زندہ کتاب میں جس نے الہیات کے علوم کے احیاء اور بقا کا ذمہ لیا ہوا ہے اس دعوے کو محفوظ اور مکتوب کہنے سے کیا مدعا ہے اور اسکا تعلق اثبات نبوت سے کیا ہے۔ ان امور میں غور کرنے کے بعد میں ہمیشہ لذت اور بصیرت سے اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ ایک مدعی کی راستی کو پرکھنے اور اسپر ایمان لائیکے لئے اس معیار سے بڑھ کر کوئی معیار نہیں۔ انسان کی فطرت میں علی السواء یہ مادہ رکھا گیا ہے کہ قول کو سننے کے بعد محاسن دل میں یہ گدگدی پیدا ہوتی ہے کہ اسکے قائل کی زندگی کس طرح کی ہے خصوصاً ایسے شخص

کی بات سن کر جو کھلے میدان میں دعوے کرتا ہے کہ میں امین ہوں میں پرے درجہ کا دیانت دار ہوں لوگوں کو چاہئے کہ اپنی گرامی قدما مانیتیں جو کسی طرح محفوظ نہ رہ سکتی اور چورون اور ڈاکوؤں کے دستبرد کے خطرہ سے مامون نہ ہوں وہ میرے پاس رکھا کریں۔ میں عند الطلب صحیح و سالم دینے سے دیر غنہ نہیں کروں گا اور اتنی بڑی خدمت کے مقابلہ میں کوئی اجرت اور معاوضہ کسی سے نہیں لوں گا ظاہر ہے کہ انسان کی عادت اور اہل میں یہ ہرگز داخل نہیں کہ ایسے دعوے کو سننے اور بلا تردد ان بلند الفاظ پر سچا ایمان لے آئے۔ بلکہ دیانت کی قدر و قیمت کا احساس اسے مجبور کرے گا کہ مدعی کے گزشتہ اور معرف

چال چلن کی حد سے زیادہ چھان بین کرے۔ ہم عرف میں روزمرہ مشاہدہ کرتے ہیں کہ ایک قرض خواہ کو قرض کا ملنا دشوار ہوتا ہے جب تک قرض دہندہ کو اسکی سیرت کی پاکیزگی کی نسبت پورا اطمینان نہ ہوگا اس کو چہ سے عرف کے باہر نکل کر دیکھو اور غور کرو کہ ایک شخص یہ دعوے کرتا ہے کہ دین و ایمان کی مانند میرے سپرد کرو۔ اپنی عقلوں اور دانشوں اور علموں اور تجربوں اور ارادوں اور خواہشوں کو میری باتوں کی تسلیم کے مقابل قربان کر دو۔ اس خود مختار رخصی اور نیک و بد کی میز قوت کو جو تمہاری مائے ناز طاقت ہے میرے حکم کے آگے تیز چھری سے فوج کر دو۔ جیسا کہ خدا تعالیٰ کی کتاب کی یہ آیت تعلیم دیتی ہے فلا ربک الا یؤمنون حتی یحکموک فیما تخرجنہم ثم لا یجدوا فی انفسہم حرجاً مما قضیت ویسلو السبیلما۔ مجھے اپنی ربوبیت کی قسم جس نے اپنے بڑے مقاصد اور اغراض کے اتمام کے لئے تیری

تربیت کی اور تجھے کامل معلّم اور کامل نو نہ بنایا ہے لوگ ایمان میں کامل نہیں ہونگے جب تک اپنے اختلافات اور جھگڑے کی باتوں میں تجھے حکم نہیں بنائینگے پھر ایسا ہو کہ تیرے فیصلہ پر اپنے دلوں میں کوئی تنگی اور گھبراہٹ محسوس نہ کریں اور تسلیم جھکا کر اس پر عمل درآمد کریں۔ بظاہر یہ آیت آزاد میابک اور مینر مرضی اور اختیار کا خون کرتی ہے اور کس جبر اور حکومت سے ہزاروں مختلف دانشوں اور عقولوں اور بے شمار ذہین جو انون اور تجربہ کار بوڑھوں کی طبع آزمایی اور فہم و فراست کے پچوڑوں کو ایک انسان کی گفتار پر قربان کرتی ہو یہ ایسی بات ہے کہ انسان کی غیرت منہ طبیعت آسانی سے اسکو اختیار اور قبول نہیں کرتی مشورت اور صلاح کاریوں کے ہوشیو میں رات دن اس اختلاف رائے کی شورا شور یوں کے نظارے دیکھے جاتے ہیں جو مسلم اہل الرائے اور مدبران ملکی کی تقریر وین کے خلاف برپا کیجاتی ہیں لیکن ان سب کے خلاف ہم دیکھتے ہیں کہ گرم ملک اور پاک آبد ہوا ولے میدان کے غیر مفتوح اور آزاد جلیلی طبیعت کے جو انون اور تجربہ کار بوڑھوں نے سچا نمونہ اُس القیاد اور راجعت کا دکھایا جو اس آیت سے سمجھ جاتی ہے جو غرض دین و ایمان کی امانت بہت زیادہ قدر و قیمت رکھتی ہے۔ پھر دن کی امانت سے جسکے سپرد کر نیسے بیشتر بین المذاہب کے حالات کی نسبت تا بمقدور مختصر اور مختصر نہیں ضروری سمجھا جاتا ہے اور وقدرت فیکم عمر امت قبلہ کیسی قابل قدر اور ضروری ہے اسکے ثبوت کے لئے ہمارے پاس ہمارے زمانہ میں ایک نمونہ موجود ہے۔ ہمارے آقا و مولے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی نسبت بھی مدتوں اس سے پہلے براہین احمدیہ میں یہ وحی موجود ہے۔ وقدرت فیکم عمر امت قبلہ۔ ہم نے عملی زندگی میں اپنے مشاہدہ میں اس دعوے کا اتنا بڑا فائدہ دیکھا ہے کہ اس سے زیادہ تصور میں نہیں آسکتا۔ ۱۸۹۲ء اور ۱۸۹۳ء میں اجتماع کے موقع پر سیکڑوں آدمیوں کے دلوں میں بے اختیار یہ بات گزری کہ قادیان کے لوگوں سے حضرت مسیح موعودؑ کی گذشتہ اور ان کی نگاہوں سے پوشیدہ زندگی کی نسبت دریافت کریں۔ بہت سے تیز طبع زندہ دل نوجوان چاروں طرف اس تلاش اور دھن میں بھیل گئے کسی نے کاٹھنکے سادہ بے شرساتن دھرم بوڑھوں سے کسی نے مسلمان بوڑھوں سے کسی نے ادھر ادھر کے کھیتو میں کام کرنے والے بوڑھوں سے بعض نے یہاں کے مسلم مخالفوں اور ڈاہ اور صد کے مریض ہم عمر و نشے پوچھا سب نے بے اختیار اور بالاتفاق یہی جواب دیا کہ اس شخص کی زندگی میں ہم نے کوئی عیب نہیں دیکھا۔ میں نے دیکھا کہ اتنے متضاد اور مختلف ہونہوئے ایک ہی یکساں بات سننے سے طالبان حق کو یہ فائدہ ہوا کہ ان کے دل حضرت مامور موعود کے دعوے کے قبول کرنے کے لئے شرح صدر اور نور سے لبریز ہو گئے۔ ۱۸۹۲ء میں مجھے اس سلسلہ کے مسلم اور مشہور مخالف اور حضرت موعود کے بہت نزدیک ہمسایہ مولوی محمد حسین صاحب کے مکان میں ٹھہرنے کا اتفاق ہوا اس وقت قادیان سے موعودیت کی آواز باہر نکل چکی تھی مگر ہنوز صاف اور منفصل نہیں تھی۔ اتنا کہ گفتگو میں مولوی صاحب مذکور نے مجھ سے پوچھا اور میں دیکھتا تھا کہ مولوی صاحب پر سرسبکی اور اضطراب غالب ہو رہا ہے

کہ نہ ہی کیسی آواز قادیان سے آئی ہے۔ میں سمجھ نہیں سکا کہ لفظ موعود سے آپ کی صاف صاف کیا مراد ہے
مجھے یہ فکر لگ رہی ہے کہ کہیں مرزا صاحب کی مراد اس سے یہ نہ ہو کہ وہ وہی مسیح موعود ہیں جس کا وعدہ
احادیث میں دیا گیا ہے۔ اگر یہ بات ہے تو دنیا میں ایک انقلاب اور قیامت قائم ہونیوالی ہو اور اگر کوئی
اور مراد ہے تو مصافحہ نہیں اس بات کو سن کر پہلا سوال جو بلا تکلف میرے دلیں پیدا ہوا اور جسے میں
فطرت انسانی کی اضطراری کیفیت سے تعبیر کرتا ہوں یہ تھا کہ مولوی صاحب کے میں نے پوچھا۔ مولوی صاحب
فرمائے آپ مرزا صاحب کی نسبت ان کی گذشتہ لائف کے مطالعہ کے بعد کیا رائے رکھتے ہیں۔ مولوی
صاحب نے بڑے جوش اور خلاص سے جواب دیا کہ میں مرزا صاحب کا ہم عمر اور ہم مکتب اور پھر ہمساہی ہوں
اور علاوہ برآں اب تک ان سے میرے تعلقات سہم میں مجھ سے زیادہ کوئی شخص ان کے حالات سے
واقف نہیں میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ بے عیب پرلے درجہ کے متقی اور خدا و رسول کے عاشق اور
اسلام کے شیدائین۔ اگرچہ میں خود ہم نہیں مگر مرزا صاحب کی بیجا تمیہ پر مجھے استغیر یقین اور وثوق ہے
کہ میں ان کے دعوے الہام کو بھی تسلیم کرتا ہوں۔ میں نے سن کر کہا بہت خوب مرزا صاحب کی عمر کا جو
حصہ ہم سے پوشیدہ تھا اس کی پاکیزگی اور تقدس کی آپ نے گواہی دیدی کہ آئندہ عمر کے حالات ہم خود کچھ
پہنچے اسی طرح ہماری جماعت کے برگزیدہ رکن جناب حضرت مولانا مولوی نور الدین صاحب نے مرزا امام الدین
کو جو حضرت موعود کا سخت دشمن تھا اور رات دن آپ کی ایذا رسانی کی تجویز و نین لگا رہتا اور اپنی تنہا
کوشش سے تھک کر گاؤں کے بہت سے سانپوں اور بھٹیوں کو ہمیشہ اپنی مدد میں بلاتا دو تین دفعہ
کہا کہ اگر تم ہمارے مرزا صاحب میں کوئی عیب نکال دو تو میں اتنے ہزار روپیہ نقد تمہیں دوں گا۔ وہ لڑھکھٹا
کی وجاہت اور متانت کو خوب جانتا اور یقین رکھتا تھا کہ مولوی صاحب اپنی بات میں سنجیدہ اور
صادق ہیں مگر وہ مبہوت اور خاموش رہا۔ اور لاٹھال باتوں سے وقت کو ٹال دیا۔

تعرض سلیم فطرتوں کی اس شہادت سے شائبہ نہ ہوا کہ ایک منجانب اللہ مامور کے لئے از بس دینی
سہم۔ کہ اس کی لائف کی کتاب پبلک لائبریری میں رکھی ہوئی ہو اور ہر ایک شائق اور پڑھ سکنے والا
اسے پڑھنے اور پڑھنے سے اپنے ماتھے کو تاح نہ سمجھے۔ اس لئے کہ ایک مستور الحال شخص کی زندگی کی نسبت کوئی
تقداد اور صاحب نظر کیا جکتہ جینی کر سکتا اور بالآخر کس نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے۔ اس خصوص کے لحاظ سے
ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے سوا کسی مامور و مرسل کی زندگی پبلک
کی تھی اور نظر کے لئے واضح اور کشادہ نہیں۔ گذشتہ زندگی نبوت کے دعوے سے پہلے ہمیں اسی کو
و قد لبثت فیکم عمر من قبلہ نے اس کی تلاش اور تجسس سے پوری طرح فاسخ کر دیا ہے۔ جبکہ معصرون
اور نہایت قریبی رشتہ داروں اور آپ سے سابقہ پڑنے والوں کی گواہیاں آپ کے امین اور مامور
ہونے کی نسبت ہماری سیرت کی کتابوں میں موجود ہیں اور یہ ایسے وقتوں کی گواہیاں ہیں کہ جب آپ

میں کی پسینہ نوجوان تھے۔ اور ایسے وقت میں بھی قوم میں نہایت راست باز اور آئین مشہور تھے تو بایں ہمہ کیا کیا کیزہ دل اور سلیم فطرت اور نیک لگان تھا و نزدیک اس دعویٰ کے ہوتے اور تاسخ کی کیا ضرورت باقی رہتی ہو۔ ایک لڑائی ہی اس بزرگ یقین اور شرح صدر کا اندازہ کر سکتا ہے جو اس دعویٰ کو سن کر ایک طالب حق کو ملنا ممکن ہوتا ہے۔

لیکن کیا ہم امید کر سکتے ہیں کہ یسوع مسیح کی لالیف اور سوانح میں کوئی اسکے مقابل دیر اندہ دعویٰ ہمیں ملے۔ کیا کوئی دیکھا سکتا ہے کہ یسوع نے قوم سے خطاب کر کے کبھی ایسا دعویٰ کیا ہو اور اپنی موجودہ زندگی کی گنتی کے ثبوت میں اپنے گزشتہ چال چلن اپنے حسبِ نسبت کے بے داغ ہونیکو بطور گواہ کے پیش کیا ہو۔ ہم ابھی یہ ذکر کرنا نہیں چاہتے اگر یسوع ایسا دعویٰ کرتا تو اس کی قوم اسکے جواب میں کہتی اسے تسلیم کرتی یا ناگفتنی اور ناشیندنی جوابوں سے اسکا بخیلہ و جیڈالنی بالفعل ہم اتنا ہی پوچھتے ہیں کہ ان کتابوں میں جو یسوع کی سہ سالہ زندگی کی ناتمام سوانح ہیں یسوع کے منہ میں اس قسم کا دعویٰ دیا گیا ہو میں امید کرتا ہوں کہ یہ ایسی بات ہے کہ خدا ترس اور طالب حق دونوں اس سے بہت فائدہ اٹھانا چاہئے۔

دوسرا پہلا اس دعویٰ کا بحث کے نیچے لائیکے لئے ہم اس خوبصورت اور قیمتی متلح کو دیکھتے ہیں جو کس قوت اور دلیری سے پانچ دفعہ ہر رات اور دن میں تمام دنیلے آگے کھول کر رکھی جاتی ہے وہ ہے کلامِ طیب لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ اس میں غور طلب امر یہ ہے کہ ان دونوں قرآن میں یا اللہ اور محمد کے نام میں کیا مناسبت اور ملاست ہے پہلے فقرہ یعنی آلہ کی نفی اور اللہ کے اثبات کے یہ مقصود ہے کہ الہیت اور موجودیت کا استحقاق اللہ کے سوا اور کسی کو نہیں اس لئے کہ وہ مستجمع جمیع صفات کاملہ ہے اور اسکے سوا سب کو نقص اور ضعف اور عجز کا داغ لگا ہوا ہے انسانی طبیعتوں نے اشتراک و اتفاق سے اس قاعدہ کو مانا ہے کہ مرئیات اور معلومات سے مجہولات اور نظریات کا علم حاصل کیا جاتا ہے لیکن اس مقام میں یہ دیکھنا چاہئے کہ کیا تمام الہوں کی نفی اور اللہ کے لئے استحقاق الہیت کے ثبات کی نسبت دعویٰ کیا جاسکتا ہو کہ اس نفی اور اثبات میں دعویٰ اور دلیل کا تلامز ہے دوسرے لفظوں میں اسے یوں ادا کر سکتے ہیں کہ کیا آلہ کی نفی اس بات کی دلیل ہو کہ اللہ ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اللہ کے لئے ثبات الہیت دعویٰ ہے اور بڑا بھاری دعویٰ ہے۔ اگر ہم ان دونوں کو دعویٰ اور دلیل دعویٰ مان کر ان میں کوئی باریک اور نازک تعلق قائم کرنا چاہیں تو وہ اس سے زیادہ نہ ہو گا جو مصنوعات اور صانع میں ہوتا ہے یعنی اگر کوئی بلند نظر صافی الفطرت تمام مخلوق معبودوں اور انسانی تخیلات کے تراشیدہ بتوں کی ہستیوں میں غور کرے اس نتیجہ پر پہنچے کہ یہ سب ناتوان اور ناقص اور داغ دار و سب سے داغ دار ہیں اور پھر ہیا اس اور تلاش اسے سچی زندگی کے پانی کی طرف دوڑنے کیلئے کسی اور طرف رہبری کرے تو وہ اس سے زیادہ کسی اور نتیجہ پر نہیں پہنچ سکتا کہ ان مٹی اور پتھر کی بدنام ورتوں

مکمل قرآن مجید کا ایک حصہ ہے

اسکا مطلب یہ ہے کہ اذان میں ان ہی کلمات کی گواہی بلند آواز سے پانچ دفعہ دی جاتی ہے۔ منہ

یا عورت کے پیٹ سے نکلے ہوئے نکتے بالابق معبودوں سے بالاتر ایک کامل اور اعلیٰ ہستی ہونی چاہئے۔
 اس شخص کا وہی حال ہوگا جو مصنوعات سے صانع کا سرائع لگانے والے کا حال ہوتا ہے۔ یہ نکتہ ہستی
 والادت وراثت کا مکرین مار مار کر اسکے سوا جھولی میں کچھ نہیں لگایا کہ ان مصنوعات کا ایک صانع ہونا
 چاہئے۔ اس بات کو اور زیادہ صاف لفظوں میں یوں سمجھ لو کہ سیو ع مسیح ایک جھوٹا الہ اور باطل کا ایک
 چیدہ اور برگزیدہ نمونہ ہے الہ اللہ کے اثبات کی ضرب اور لا الہ کی نفی کا تبرائے سر پہی و بیسا ہی
 پڑتا ہے جیسا کہ زمین کے اور معبودوں پر جو اسکے بخارات کی ترکیب سے متولد ہوئے ہیں یورپ کے
 ذہین اور رشید طالبان حق بڑی غور و غور اور تنقید و شک بعد جو آزادی اور کشادہ دلی سے اس ناقص
 اور ادھورے آدم زاد اور جعلی خدا کی نسبت کرتے رہیں اس تراشیدہ بت میں ہزاروں نقص اور داغ
 دیکھ کر بے اختیار اس نتیجہ پر اور سچے نتیجہ پر تو ضرور پہنچے ہیں کہ سیو ع مسیح کو خدا ماننا انسانی عقل
 پر شرمناک داغ لگانا ہے مگر بائین ہم وہ سچا کامل ہمہ علم ہمہ قدرت متصرف حی و قیوم خدا اور اسکا لایذ
 عرفان ان کی ہم کی رسائی سے ہنوز بالاتر ہے اور یہ ظاہر بات ہے کہ ہے اور ہونا چاہئے
 میں بڑا فرق ہے۔ ایک عاشق کی پیاس جو اس مہلی کی طرح بقیار ہو جو پانی کے سوا کسی اور چیز سے خواہ کسی
 ہی عجیب اور لذیذ ہو قرار نہیں کر سکتی کیونکہ کچھ سکتی ہے جتنا کہ وہ زندگی کا شیریں چشمہ نیشی طور پر
 لے نہ ملے۔ فطرت انسانی خیالی تصویروں اور بے جان صورتوں اور اپنے ایجاد کردہ تصورات کو کب
 سیر ہو سکتی ہو جہت میں ایک جوش ڈالا گیا ہے جو کسی طرح اس کی آگ کچھ نہیں سکتی جتنا کہ محبوب کا کلام اس
 میں زندگی کی روح نہ بھونکے۔ یہ فطرتی تقاضا صاف بتاتا ہے کہ فاطر فطرت نے عمداً اس میں یہ جوش اور
 تقاضا خمیر کیا ہے۔ درحقیقت اسکے سوا اور کوئی راہ ہے ہی نہیں کہ کامل قادر حی قیوم خدا خود اپنی آواز
 سے اپنے تئیں شناخت کرے اور اپنی پر قوت اور پرہیت اور ریلز آواز سے اپنی ہستی کا آپ
 ثبوت دے۔ اسی دقیقہ معرفت کے ثبوت کر نیکی کے قرآن کریم میں آئمہ باطلہ کی تردید میں بارہا استدلال
 فرماتا ہے کیا وہ تمہاری آواز کو سنتے اور اسکا جواب دیتے ہیں جب تم انہیں پکارتے ہو چنانچہ گو سالہ ساری
 کی پرستش کے احمقانہ فعل پر نبی اسرائیل کی نسبت فرماتا ہے **اقلایرون الایہم جمع الیہم قول اولی**
یکلمک لہم ضرا ولا نفعا۔ کیا وہ سوچتے نہیں کہ وہ ان کی بات کا کچھ جواب نہیں دیتا اور انکا ضرا و نفع
 کچھ بھی اسکے اختیار میں نہیں۔ اس آیت اور اس قسم کی اور بہت سی آیتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ بائیکا
 کی ہستی کے ثبوت کے اعلیٰ اور اکمل اور امین ذریعہ تو ایک یہ کہ وہ اپنے کلام اور تعلیم سے اپنے وجود کا آپ
 ثبوت دے۔ دوسرا بڑا بھاری اور نہایت ہی مردانہ مرحلہ اس راہ میں یہ پیش آتا ہے کہ مصنوعات کی
 ابلغ اور محکم ترکیب اور انام شمسی کی ہندسی ترتیب میں غور و فکر سے اگرچہ سلیم اور مصفا فطرتیں پہلی
 ہونا چاہئے کی پست حالت سے ترقی کر کے اس نتیجہ پر بھی پہنچ گئی ہیں کہ خدا تعالیٰ ہے مگر عبودیت

اور الوہیت میں رابطہ اور تعلق پیدا ہونے کے لئے اتنا اعتقاد کافی نہیں کہ خدا ہے۔ بڑا بھاری طلسم اور گنبد ہے درجیکے توڑنے اور کھولنے میں ہزاروں مادی دانشین اور یورپ و یونان کی ارضی فراستیں سرسبز ہو کر راہ بھول گئی ہیں صفات الہیہ کا مسئلہ ہے۔ فلسفیوں کی راہ میں بڑا بھاری مسئلہ یہی پڑا اور مدتوں سے پڑا ہے کہ خدا اور انسان میں کیا تعلق ہونا چاہئے بہت سے لوگوں کی ہمت اتنی ہی بات پر قناعت کر جاتی ہے کہ اس قدر ماننا کافی ہے کہ خدا ہے وہ اپنے دل میں اس بات کی تڑپ محسوس ہی نہیں کرتے کہ اسکا ہم سے اور ہمارا اس سے کیا تعلق ہے۔ یہ کمزوری اور حجاب اسوجہ سے پیدا ہوا کہ خدا تعالیٰ کو ایک معطل طاقت مانا گیا جسکا نظام عالم سے کوئی تعلق نہیں اور کبھی تعلق تھا تو اس معمار سے زیادہ نہ تھا جو ایک عمارت کے پورا کرنے کے بعد اس سے بے تعلق ہو جاتا ہے۔ ذرات کائنات پر متصرف اور ہر آن اور شان میں جلالی اور جمالی تجلیات کے دکھانے پر قادر یعنی اپنی مشیت اور ارادہ کو ہر وقت نافذ اور جاری کرنے کی قدرت رکھنے والا اور ہر ایک ذرہ موجودات کو اپنے منشا کے پورا کرنے کے لئے کٹھ پتلی کی طرح بنچانے والا ہمیشہ کلام کر رہا والا۔ دعاؤں کا سننے والا صریح اور صاف آواز سے جواب دینے والا ہر زمانہ میں لا تبدیل طور پر روحی اور الہام اور رویا کے سلسلہ کو جاری رکھ کر ان امور کو اپنے وجود کا گواہ اور زندہ گواہ ٹھہرا رہا والا۔ اپنے ایک ارادہ اور مقصد کے پورا کرنے کے لئے اپنی مصلحت کے اقتضا سے ابھی ہوا کو بری اور بُری کو ابھی کر سکنے والا۔ غرض اس قسم کا قادرِ قادرِ حرمی قیوم اسے مانا نہیں گیا اور ظاہر ہے کہ جب تک اسپر ایسا ایمان پیدا نہ ہوا انسان کی فطرت میں اس سے تعلق لگانے کے لئے جوش پیدا نہیں ہو سکتا۔ ایسے گہرے تعلق کے پیدا کرنے کے لئے انسان کی فطرت میں ایک جوش بخشا گیا ہے جو زندگی کے انقلابات کی مختلف گھڑیوں میں نخر کیے میں آتا۔ اور ہر طرف سے انسان کی ساری امید و فکر کاٹ کر بیچارگی اور ناتوانی سے اسکے منہ کو اوپر کی طرف متوجہ کرتا ہے اور اسے دل میں الفاظ کرتا ہے کہ اسوقت زمین کی ساری طاقتیں تیری کار بر آری میں سراسر عاجز اور ناتوانی ہیں۔ لیکن بڑی مشکل ہے جو کہ اس غرض کے حاصل ہونے کے لئے کہ دعا جاذبِ قلب سے نکلے اور استبعاد کی کوئی آلائش اسکے ساتھ نہ ملے ہوئی ہو۔ بڑا شہتیر جیسے داعی کے ایمان کی چھت کو قائم ہونا ضروری ہے کہ خدا تعالیٰ کی صفات پر فوق اور بصیرت یقین ہو اور دل اس عرفان سے مسرور اور لبریز ہو کہ اس کی قدرت اور علم اور طاہر ارادہ کی راہ میں کوئی روک نہیں۔ عام تجربہ اور مشاہدہ گواہ ہے کہ مادی تعلیموں اور ملمع صنعت کاریوں اور دنیا کی چند روزہ کامیابیوں اور تعیشات کے ورطہ میں مستغرق ہو جانے کے باعث دل کو دعلی تاثیر اور نافع ہونیکا اعتقاد اٹھ گیا ہے اور دعا کو من جملہ اسباب موثرہ اور علل کے یقین کرنا بیہودہ خیال اور توہم کی جنس سے سمجھا جاتا ہے۔ طبائع کی ساری توجہ اسباب کی دیوی کی پرستش میں مصروف ہے اور ان لا انتہا پتھر دن کی پوجا سے دل کو خالق اسباب کی طرف ایک لحظہ

بھی توجہ کرنے کی فرصت نہیں ملتی۔ تمام قوموں عیسائی۔ آریہ۔ برہمن اور عام مسلمانوں میں دعا کا رواج تو ہے مگر وہ خشک بے اثر الفاظ سے زیادہ نہیں۔ ہر ایک کو ان میں سے استبعاد کا جذام لگا ہوا ہے جس سے دل کے سارے اعضا گل سڑ کر گریبے قریب ہو گئے ہیں۔ ہاتھ دعا کے لئے اٹھائے ہوئے ہیں اور دل اس دعا سے غافل اور خلیجیان سے ناکون ناک بھرا ہوا ہے کہ یہ بات تو ہونے والی نہیں یہ تو اٹل امر ہے۔ ایک شخص جس امر کو یا تو نزدیک ناگہن سمجھ لیتا اور چاروں طرف نظر دوڑا کر اپنے زعم میں اسباب کو مفقود پاتا ہے خدا تعالیٰ کو بھی اس کے سرانجام دینے یا ناگہان غیر مترقب اسباب کے پیدا کر نیسے عاجز اور قاصر یقین کر لیتا ہے اس کا دل اس کو سوخت یہ اطمینان نہیں دلا سکتا کہ اگرچہ یہ آگ جس میں غرق ہو گیا ہے ڈالا جائے گا بڑے طاقتور ہاتھوں کی جھلائی ہوئی ہے مگر ان سب ہاتھوں پر ایک اور ہاتھ ہے جو ہر قسم کے توقع اور انتظار کے خلاف اس کے بھی دینے اور گلزار کر دینے پر قادر ہے +

غرض ان دونوں فقرہوں لا الہ الا اللہ میں اللہ اور محمد میں یہ رابطہ اور بناسبت ہو کہ لا الہ الا اللہ دعویٰ اور محمد رسول اللہ اس کی دلیل ہو اس لئے کہ تمام اللہ ہا کی نفی کے بعد لفظ اللہ کے معنی اور مفہوم میں یہ داخل ہو اور اس کا اثبات کیا گیا ہے کہ وہ مستجمع جمیع صفات کاملہ ہے یعنی اس میں وہ تمام صفات کاملہ طرز پر موجود ہیں جو اس عالم کے ذرہ ذرہ سے تعلق رکھتے اور اس پر قابض اور قادر حکمرانی کرنے کے لئے ضروری ہیں تمام جہان اور اس کے ذرات کی کوششیں اور اجتماع اس کے غالب امر اور قائم مشیت اور نافذ ارادہ کو کسی طرح بھی روک نہیں سکتے بائیں ہمہ یہ دعویٰ اور مجرد دعویٰ ہے اور ایسی ذات کی نسبت دعویٰ ہو کہ جس کے وجود کی نسبت بڑی مشکل ہو یقین نہ ہو شش سنبھالنا شروع کیا ہے چہ جائیکہ اس کی صفات کاملہ کی نسبت وہ ایمان اور یقین پیدا ہو جو اوپر مذکور ہوا ہے لیکن محمد نے ان تمام مشکلات کو بڑی قوت سے رفع کر دیا اور اس لئے کہ اس انسان کامل کا وجود ایک معلوم اور مثبت حقیقت اور حقیقی ملک ہونے کے سبب اس غیر مرئی۔ غیر مرکب اور مجہول الکنہ ذات کے اثبات اور دکھا دینے کے لئے دلیل راہ دکھایا ہو۔ اس دعویٰ اور دلیل میں باللفظ دیگر اللہ اور محمد میں کمال رابطہ اور بناسبت یہ ہو کہ دونوں لفظ اپنی ترکیب اور مفہوم کے رو سے کمال تام پر دلالت کرتے ہیں یعنی جس طرح لفظ اللہ کے یہ معنی ہیں کہ وہ ایسی پاک ذات ہے۔ کہ جس میں تمام کامل صفات جمع ہیں اور اس میں کسی قسم کا نقص اور کمزوری نہیں اسی طرح لفظ محمد بھی اپنی میں اور واضح ترکیب سے ایسے وجود پر دلالت کرتا ہے جو جامع ہے۔ ان تمام صفات کاملہ کا جو نشا و بشریت اور عالم انسانیت کے لئے ممکن ہو سکتی ہیں اور من کل الوجوہ بری ہے ان تمام نقصوں اور کمزوریوں سے جو گری ہوئی بشریت اور دلیل انسانیت کے چہرہ پر بہ مناداع کی طرح لگی ہوئی ہیں۔ اس لئے کہ محمد کے معنی ہیں بہت حمد کیا گیا یا ایسا انسان کہ جس کی حمد اور ستائش سے زمین اور آسمان بھر جائیں اور یہ مرتبہ کسی انسان کو مل نہیں سکتا جب تک وہ ہر قسم کے کامل صفات سے موصوف اور محبوب اور نفاٹھ سے منزہ نہ ہو۔

ہے کوئی معرفت الہی کا بھوکا اور پیاسا جسے ذوق سلیم اور ذہن مستقیم بخشا گیا ہے۔ جو ان اسما کی مناسبت اور رابطہ میں غور کرے کیا یہ کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ اپنے حسن نظام اور بالغ ترکیب سے ایک عظیم الشان اور لائق صداقت اور صداقت کا ثبوت نہیں۔ کیسا خوبصورت اور کش دعوے ہو کہ اللہ ہے اور اس کے سوا کوئی معبود اور الہ نہیں اور اس دعوے کی اسی کی مانند کیسی خوبصورت اور کش دلیل ہو کہ محمد اسکا رسول ہے یعنی ایسا کامل انسان جس کے افعال و اعمال محمودہ و سنہاس جہان میں ہر قسم کی جھڑپ و تالیش کا مستحق پیدا کیا ہے جب ایسا کامل اور بے عیب فرد اسکا الٰہی اور اسکا پتہ دینے والا ہے تو اس میں شک نہیں کہ اللہ ہے اور لاریب تمام کاملہ صفت کا جامع ہے۔

دنیا کے عرف اور رسم میں یہ بات داخل ہو کہ ہر دولت اور قوت کا سفیر اسکا قائم مقام اور اس کی شکست اور قدرت کا غیر سلطنت کے دلون پر نقشہ اور سکہ جانیو والا اور اپنی دولت کے سچے منشا کو ظاہر کرنیوالا ہوتا ہے اسلئے ہر سلطنت کو اپنے جلال اور شوکت کے اندازہ پر ایک قابل اور لائق سفیر انتخاب کرنا پڑتا ہے کہ سفاقت و خفقت اور تحقیر اس سلطنت کو نصیب ہوگی جسکا سفیر محض کھلونا اور سفیہ اور بلا ثبات ہو۔ ایسے موقع میں جہاں سفاکے دل اپنی اپنی سلطنت کے منافع اور مقاصد کے لئے جمع ہوئے ہوں اس قوی اور ستم اصل کو مد نظر رکھ کر غور کرنا چاہئے کہ کیا ایسے شہنشاہ کے لئے جسکا نام اللہ ہے کوئی اور سفیر بجز اس شخص کے جسکا نام محمد ہے تجویز ہو سکتا ہو بلکہ اس بڑھ کر دین دعوے کرتا ہوں اور بصیرت کے دعوے کرتا ہوں کہ اللہ کے معنے اور مفہوم اور اس کے تمام مقاصد کو دل میں رکھ کر اور کوئی نام بجز اسم مبارک محمد کے موزون اور بر محل ہی نہیں ہے۔

میرا دل اس امید سے بھرا ہوا ہے کہ سلیم الفطرت ناظرین جو مذہب کے دلچسپی رکھتے ہیں یا کم از کم ندرت پسند طبیعت رکھنے والے اس امر میں غور کریں گے کہ مذہب اسلام کی یہ زیریں اصل کیا بڑے بڑے مفاد کے طور پر رہنا نہیں۔ کیا یہ اتفاقی اور نااندریشیدہ ترکیب کے چوبے جوڑ اور مہمل لفظوں سے مرکب ہے یا اسکے ایک ایک لفظ میں ایسی صداقت بھری ہوئی ہے کہ جس کی نظیر دنیا کے قدیم و جدید مذاہب میں پائی نہیں جاتی میں فراخ دلی اور کشادہ پیشانی سے مذاہب موجودہ کے حامیوں کو اجازت دیتا ہوں کہ دلائل سے قطع نظر کر کے بالفعل دعوے کا مقابلہ دعوے سے کریں اس کے بعد دلائل کا دلائل سے موازنہ کریں۔ ایک شخص اپنی سچائی اور کاملیت اور سچی عقیمت اور قدوسیت کا مستقر یقین اور احساس رکھتا ہے جبکہ اللہ کے نام کے ساتھ اپنے نام کو شامل کرتا اور اجازت دیتا ہے کہ دن اور رات میں باخ مزہ بلند جگہوں پر اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ اسکے نام کی نہ کی جائے۔ اُس احساس اور ذوق کا کوئی اندازہ کر سکتا ہو جسے وہ اور اسکے پیرو دلون میں محسوس کرتے ہیں جبکہ وہ اس مناسبت اور ربط کا تصور کرتے ہیں جو اللہ اور محمد میں واقع ہے اس ترکیب کے کامل اور بالغ ہونے کا ثبوت یہ ہے کہ

جیسے اللہ کے اسم کے سوا یہ اشتہار کسی اور نام کی طرح فرستے موزون نہیں ہو سکتا اسی طرح اسم محمد کے سوا بھی کوئی اور مشہور اسم موزون نہیں ہو سکتا اس لئے کہ عرف اور لغت میں ایسے اور ان کی مانند کوئی اور الفاظ موجود ہی نہیں جو ان اغراض اور مقاصد کا آلہ اور واسطہ بن سکیں جو ان لفظوں سے مقصود ہیں اسے بلفظ دیگر یوں سمجھنا چاہئے کہ جیسے ضروری ہے کہ خدا کے واسطہ سے جو ہر قسم کے کاملہ صفات سے موصوف اور تمام نقصوں اور عیبوں سے میرا اور منتر ہو ویسا ہی ضروری ہے کہ اس کی خبر دینے والا اور اس کا خلیفہ بھی اپنی جنس کے دائرہ میں ہر قسم کے حسن کا جامع اور ہر قسم کے قبح سے پاک ہو۔ یہ ایک حقیقت ہے اور بڑی عظیم الشان اور نازک اور دقیق حکمت ہے ہم چاہتے ہیں کہ اس کے اظہار کے لئے الفاظ کا قالب پیدا کریں اور مفرد لفظوں کے ذریعہ ہزار ہا معارف اور حقائق کو ایک ہی لحظہ میں دلون پر نازل اور القا کر سکیں اور بڑی مفصل تقریروں اور مطول ثبوتوں سے طرفہ العین میں بے نیاز ہو جائیں۔ ہم دعوے سے کہتے ہیں کہ اسکو کئے بجز ان دونوں اسموں اللہ اور محمد کے اور کوئی لفظ ہمیں مل ہی نہیں سکتے۔ اور اگر کوئی اور ثبوت اسلام کے پاس اپنی حقیقت اور صداقت کا نہ بھی ہو تو واجب بھی یہ کلمہ اس کے منجانب اللہ ہو نیک کافی اور وافی ثبوت تھا۔ فالحمد للہ رب العالمین ثم الحمد للہ الذی ہدانا لهذا کنا لنهتدی لولا ان ہدانا اللہ۔

دوسرے سوال کی نسبت بڑا صاف اور مختصر جواب یہ ہے کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دعوے نبوت سے پہلے اپنی قوم میں الامین اور المامون کے نام سے مشہور تھے یہ مسلم اور مشہور روایت ہے کہ قریش ان برگزیدہ اور قیمتی امانتوں کو جن کی نسبت کسی جگہ سپرد کرنے پر ان کے دل مطمئن اور امین نہیں ہوتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد کرتے تھے۔ اس طرح پر آپ خدا تعالیٰ کے خاص ارادہ اور حکمت سے اس بڑے دعوے سے پہلے ہی الامین مشہور ہو چکے تھے۔ بنو ہاشم کی عظمت اور وقعت تمام قریش اور سائر عرب کے دلون میں ایسی جاگزین تھی کہ کوئی فرد بشر انکی ذات اور خاندان کی وجاہت اور طہارت کی نسبت کوئی عیب نکال نہیں سکتا اور داغ لگا نہیں سکتا تھا۔ کس قدر شوکت اور دلی شعور سے بھرا ہوا یہ آپ کا دعوہ ہے جو اپنی سوسائٹی میں اپنے کیا کہ ہماری تمام نسل میں آدم تک کوئی سفاح (زنا) واقع نہیں ہوا۔ اس دعوے کی تکذیب کسی کو بھی جرأت نہ ہوئی۔ اس دعوے کی عظمت اور بھی بڑھ جاتی ہے جب اس قوم کی حالت سے واقفیت حاصل ہو جسکے سامنے یہ دعوے کیا گیا۔ یہ مسلم امر ہے کہ عرب عموماً اور قریش خصوصاً زندگی کا فرض اور مایہ ناز کام اس امر کو سمجھتے تھے کہ ہر ایک قابل شخص اور میدان میں نکل سکنے والا آدمی اپنے باپ دادوں اور حریفوں کے باپ دادوں کے کارناموں کو پشت در پشت میسوں پشتوں تک یاد رکھتا۔ وہ اپنے آباؤ کے محاسن اور حریف قبیلہ کے آباؤ کے مثالب کو مقابلہ کے بازاروں میں ہزاروں ناظرین کے روبرو بیان

کرنا قابل فخر کا نام سمجھتے تھے ان میں ہزاروں آدمی ایسے تھے جنہیں صدیوں کے واقعات اور ایام اور ان کی جزئیات کے متعلق لاکھوں اشعار زبانی یاد تھے۔ ان کی اس لائق ترقوت حافظہ کو یورپ کے نامی علماء نے بھی تسلیم کیا ہے۔ ہاں ہم ایسی مثالیں شمار قوم ایسے وقت میں جبکہ مخالفت کا جو اثر انہیں ہر طرف دوڑا تھا کسی طرح دعوے کرنا والے کے منہ پر مہر سکوت لگائیں اس عرصے کے مقابل میں تسلیم چکا دے۔ اس سے زیادہ ثبوت ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بے عیب اور معصوم زندگی کا اور کیا ہو سکتا ہے +

سیرۃ ابن ہشام میں جو بہت پرانی اور نہایت معتبر سیرۃ کی کتاب لکھا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت تھی کہ ہر سال موسم ربیعہ میں مدینہ پر تشریف لے جاتے اور لوگوں پر اسلام پیش کرتے۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک موسم میں بنو عامر آئے۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حسب معمول انہیں تبلیغ کی مگر انہوں نے سرکشی سے انکار کیا۔ اس قوم بنو عامر میں ایک بہت بوڑھا اور معتد علیہ بزرگ تھا جو کبر سنی کی وجہ سے مدینہ میں حاضر ہوئیے سے قاصر ہو گیا تھا قوم کے جوانوں نے یہ التزام کرکھا تھا کہ میلہ سے واپس ہوتے ہوئے جو کچھ دیکھا سنا ہوتا اسے سنا تے جاتے۔ ابی دفعہ انہوں نے یہ نیا واقعہ بھی اُسے سنایا۔ ابن ہشام کہتے ہیں۔ فوضع الشيخ يديه على راسه ثم قال يا بني عامر والذی نفس فلان بیده بالقولها اسلم علی قوطا نہما الحق یعنی ان کی سرکشی اور انکار کی باتیں سن کر اس بزرگ نے اپنے دونوں ہاتھ سر پر رکھے اور کہا اے نبی عام مجھے خدا کی قسم کسی سہم علی نے ایسا دعوہ کر کے خدا تعالیٰ پر افترا نہیں کیا اور یہ دعوے سچا ہے۔ پھر اسی سیرۃ میں لکھا ہے کہ حضرت حمزہ علیہ السلام کے اسلام لانے کے بعد عتبہ بن ربیعہ نے ایک دن قوم سے کہا جبکہ وہ لوگ تعجب اور سنج سے دیکھ رہے تھے کہ اسلام دن بدن بڑھتا چلا جاتا ہے یا معشر قریش! الا قوم اے محمد فاکلمہ و اعرض علیہ امور اللی قبلہا فنعطس یا ہاشم و یکف عنا فقالوا بلی یا بالولید ثم الیہ فکلمہ فقام الیہ غتبہ حتی جلس الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال یا ابن خنی انک منا حیث قد علمت من السلطۃ فی الغشیۃ و المکان فی النسب النخ۔ اے قوم قریش اگر تم پسند کرو تو میں محمد سے بات چیت کروں اور کچھ باتیں پیش کرو ممکن ہے کہ وہ کسی امر کو قبول کرے۔ اور جس بات کو وہ قبول کرے ہم بھی اس پر راضی ہو جائیں اور اس طرح وہ ہمارا پیچھا چھوڑے۔ انہوں نے کہا بہت بہتر آپ ان سے کلام کریں۔ پھر غتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گیا اور آپ سے مخاطب ہو کر کہا اے برادر زادے مجھے خوب علم ہے کہ ہم تمہیں قبیلہ میں کس قدر اکرم اور برگزیدہ اور صاحب محبت و رخصت مانتے اور بلحاظ نسب کے مجھے اعلیٰ درجہ کا یقین کرتے ہیں۔ پھر اسی کتاب میں لکھا ہے کہ جب کعبہ کو نئے سرے تعمیر کرنے کے وقت جب قریش میں نزاع کھڑی ہو گئی کہ رکن اسود کو کون نصب کرے اور قریب تھا کہ قحطہ کی آگ مشتعل ہو کر بہت سے خاندانوں کو راکھ کر دیتی

ابو امیہ بن المغیرہ نے جو سب میں بڑا تھا کہا۔ اجمعوا بینکم فیما تکتفون اول من یدخل من باب ہذا المسجد تقضی
 بینکم ففعلوا فکان اول داخل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلما راؤہ قالوا ہذا الامین رضینا ہذا محمد۔ تم اس اختلاف
 اور نزاع کے معاملہ میں ایسے شخص کو حکم مان لو جو اس مسجد کے دروازہ سے سب سے پہلے داخل ہوا ان سب کے
 منظور کیا۔ پھر ایسا ہوا کہ سب کے اول داخل ہونے والا شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے لوگ آپ کو دیکھ کر
 پکار لگے۔ یہ الامین ہے ہم اس پر راضی ہیں یہ محمد ہے۔ اسکے آگے ابن ہشام لکھتے ہیں۔ وکان قریش
 شمس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبل ان ینزل علیہ الوحی الامین یعنی قریش نزول وحی سے پہلے ہی رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم کو الامین کہا کرتے تھے۔ اسی طرح ایک موقع پر حضرت ابن ہشام سر محبت اور عاشقانہ
 اداسے لکھتے اور واقع کی گواہی دیتے ہیں۔ فثبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ بیکوہ و یحفظہ بحوطہ
 من اقدار الجاہلیۃ لما یرید بہ من کرامتہ و رسالتہ حتی بلغ ان کان رجا الفضل قومہ مروکہ و احسنہم خلقا و اکرمہم سببا
 و احسنہم جوارا و اعظمہم علما و اصدقہم حدیثا و اعظمہم امانۃ و ابعدهم من الفحش و الاطلاق التی تدنس الرجال تنزلا
 و تنکرا حتی ما سمعہ فی قومہ الا الامین لما جمع المدفینہ من الامور الصالحۃ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طہتے
 اور بچھو لیتے اور اللہ تعالیٰ آپ کی پاسبانی اور حفاظت فرماتا اور آپ کو جاہلیت کے تمام عیبوں اور گند و نشے
 بچانا اس لئے کہ آپ کو اپنا رسول اور موروہ فضل و کرم بنانا تھا تاکہ آپ سن بلوغ کو پہنچ کر ایسے مرونکے کہ ساری
 قوم سے عروت میں افضل خلیق میں احسن۔ حسب میں اکرم۔ ہمسایوں سے حسن سلوک میں احسن۔ علم میں
 اعظم۔ بات میں اصدق۔ امانت میں اعظم اور ان تمام اخلاق سے جو مردوں کے دامن کو آلودہ اور چرکین کر دیتی
 ہیں اور ہر قسم کی بد گفتاری اور بد کرداری سے پاک تھے چنانچہ ان سب امور کے لحاظ سے قوم میں آپ
 الامین کے نام سے مشہور ہو گئے۔

غرض یہ سب شہادتیں ہیں ایسی قوم کے منہ سے جبکہ نزدیک کسی کی تعریف کرنا سرخ موشتے
 اختیار کرنے سے زیادہ گراں تھا اور یہ ایسے وقتوں کی گواہیاں ہیں کہ جب آپ زندگی کے اس چوتھرے پر
 جلوہ فرما ہوئے تھے جہاں بیٹھ کر عرف اور عادت کے نزدیک بہت ہی تھوڑے بے عیب ثابت ہو گئے
 ہیں۔ یہ درحقیقت خدا تعالیٰ کے فضل اور بڑے شکر کی بات ہے کہ اسلام کی وہ ساری کتابیں جو کتب
 سیر کے نام سے مشہور ہیں اور احادیث کی کتابیں جو تاریخ اور تنقیدی لحاظ سے بھی تمام دنیا کی مذہبی اور
 مقدس کتابوں سے بڑھی ہوئی ہیں اور وہ دو دواہین اشعار جو جاہلیت کی طرف منسوب ہیں یہ ساری کتابیں
 بالاتفاق گواہی دیتی ہیں کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نبوت سے قبل اور بعد دونوں زمانوں میں
 قوم کے عرف اور رسم اور عادت اور الف کے لحاظ سے مستطاب اور بے داغ مانے گئے۔ کوئی تاریخ گوہی نہیں
 دے سکتی کہ کسی نامور مصلح کی زندگی کی کتاب ایسی صاف اور خوش خط لکھی ہوئی موجود ہو اور پھر ایسی صحیح اور
 بلیغ ہو کہ جلدوں کی جلد میں پڑھ کر بھی عدد و کوکتہ چینی کے لئے ایک حرف پر بھی نظر نہ مل سکے۔

میں بڑی دلیری اور بصیرت سے دعوے کرتا ہوں کہ پہلے اور پچھلے زمانوں میں ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک شخص ہیں جو انسان تیار کئے گئے کہ آپ کے لئے وہ کام کئے اور وہ انسان چھوڑے ہیں جنہیں تاریخ فخر و ناز سے اپنے صحیفوں میں جگہ دیتی ہو اور آپ ایک ہی بے داغ اور بے عیب انسان ہیں کہ جن کی سیدائش اور طفولیت اور جوانی اور بڑھاپے اور انجام کی زندگی کے اوراق کے پہلک کی آنکھوں کے آگے کھول کر رکھ دینے سے تاریخ کبھی شرمندہ نہیں ہوتی اور تاریخ بھی آپ ہی کے اسم گرامی کی طرف مصاف ہو کر واقعی اور معنی خیز ترکیب بن سکتی ہو یا اسے یوں تعبیر کر دے کہ آپ ہی ایک گرامی اور مسلم اور واقعی شخص ہیں کہ جن کی سوانح زندگی ابتدا سے آخر تک دنیا میں محفوظ ہیں اور اس خصوص میں مصلحان عالم کے گروہ سے کوئی بھی آپ کا شریک نہیں۔ غرض صرف ایک ہی شخص کے لحاظ سے ہسٹری آف محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور محمدات ہسٹری دونوں ترکیبیں درست اور واقعی ہیں (باقی دارد) عہد الکیریم

حضرت مسیح موعودؑ کی ایک تقریر کا خلاصہ

آپ نے جو مجھ سے آج تعلق بیعت کیا ہے تو میں چاہتا ہوں کہ کچھ بطور نصیحت چند الفاظ کہوں۔ یہ یاد رکھنا چاہئے کہ انسان کی زندگی کا کچھ اعتدال نہیں۔ اگر کوئی شخص خدا پر ایمان رکھے اور پھر قرآن کریم پر غور کرے کہ خدا تعالیٰ نے کیا کچھ قرآن میں فرمایا ہے تو وہ شخص دیوانہ وار دنیا کو چھوڑ دے گا اور جاوے۔ یہ بالکل سچ کہا گیا ہے کہ دنیا روزے چند عاقبت با خداوند اب خدا کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ جو شخص خدا کی طرف آنا چاہتا ہے اور فی الواقع اس کا دل ایسا نہیں کہ اُس نے دین کو دنیا پر مقدم کیا ہو تو وہ خدا کے نزدیک قابلِ سزا ٹھہرتا ہے۔ ہم اس دنیا میں دیکھتے ہیں کہ اسکے مقاصد حاصل کرنے کے لئے جب تک کافی حصہ اپنا ان کی طلب میں خرچ نہ کر دین وہ مقاصد حاصل ہونے ناممکن ہیں مثلاً اگر طبیب ایک دوا کی اور اس کی ایک مقدار مقرر کر دے اور ایک بیمار وہ مقدار دوا کی تو نہیں کھاتا بلکہ تھوڑا حصہ اس دوا کی کا استعمال کرتا ہو تو اس کو کیا فائدہ اس سے ہوگا۔ ایک شخص سخت پیاسا ہے تو ممکن نہیں کہ ایک قطرہ سے اس کی پیاس دور ہو سکے۔ اسی طرح جو شخص بھوکا ہے وہ ایک تھمے سے پیس نہیں ہو سکتا اسی طرح خدا تعالیٰ یا اسکے رسول پر زبانی ایمان لے آنا یا ایک ظاہر رسم کے طور پر بیعت کر لینا بالکل بے سود ہے جب تک انسان پوری طاعت سے خدا تعالیٰ کی راہ میں نہ لگی ہو۔ نفس کی خیر خواہی اسی میں ہے کہ انسان پورے طور پر وہ حصہ جو روحانی زندگی کے لئے ضروری ہے۔ صرف یہ خیال کہ میں مسلمان ہوں کافی نہیں۔ میں نصیحت کرتا ہوں کہ آپ نے جو تعلق مجھ سے پیدا کیا ہے (خدا تعالیٰ اس میں برکت ڈالے) اس کو بڑھانے اور مضبوط کر نیکی فکر میں ہر وقت

ذہن اس دن حضور علیہ السلام سے شرف بیعت حاصل کیا تھا

یہ تقریر حضرت اقدس نے مقام نور دہلی میں ۲۰ مئی سنہ ۱۸۹۰ء کو بعد از نماز عصر کی تھی۔ تحریک کا باعث چند اجاب جید راہداروں کے تھے۔

لگے ہیں لیکن یاد رہے کہ صرف اقرار ہی کافی نہیں جب تک علی رنگ سے اپنے آپ کو نگین نہ کیا جاوے۔
 خدا تعالیٰ فرماتا ہے **حَسْبُ النَّاسِ اَنْ يَّمُرُوا بِآيَاتِنَا وَلَا يَفْقَهُوْنَ** الخ یعنی کیا
 انسانوں نے کمان کر لیا ہے کہ ہم صرف آئنا کہ کو ہی چھٹکارا پائیں گے اور کیا وہ آیتیں میں ڈالے نہ جاوینگے
 سواصل مطلب یہ ہے کہ یہ آزمائش اسی لئے ہے کہ خدا تعالیٰ دیکھنا چاہتا ہے کہ آیا ایمان لایا وائے نے ہیں
 کو ابھی دنیا پر مقدم کیا ہے یا نہیں آج کل اس زمانہ میں جب لوگ خدا کی راہ کو اپنے مصلح کے برخلاف پاتے
 ہیں یا بعض جگہ حکام سے انکو کچھ خطرہ ہوتا ہے تو وہ خدا کے راہ سے انکار کر بیٹھتے ہیں ایسے لوگ بے ایمان
 ہیں وہ نہیں جانتے کہ فی الواقعہ خدا ہی احکام الہی کیمن ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ خدا کی راہ بہت دشوار
 گزار ہے اور یہ بالکل سچ ہے۔ کہ جب تک انسان خدا کی راہ میں اپنی کھال اپنے ماتھے سے نہ اتارے تب تک
 وہ خدا کی نگاہ میں مقبول نہیں ہوتا۔ ہمارے نزدیک بھی ایک بیوفان کو کسی قدر ومنزلت کے قابل نہیں
 جو نوکر صدق و وفا نہیں دکھلاتا وہ قبولیت نہیں پاتا۔ اسی طرح خدایا ہی میں وہ شخص پرے درجہ کا بے ادب
 ہے جو چند روزہ دنیوی منافع پر نگاہ رکھ کر خدا کو چھوڑتا ہے۔ بیعت کا مراد خدا تعالیٰ کو جان سپرد کرنا
 ہے اس سے مراد یہ ہے کہ ہم نے اپنی جان آج خدا کے ماتھے بچھ دی۔ یہ بالکل غلط ہے کہ خدا کی راہ میں
 چل کر انجام کار کوئی شخص نقصان اٹھاوے۔ صادق کبھی نقصان نہیں اٹھا سکتا۔ نقصان اسی کا ہے
 جو کاذب ہے جو دنیا کے لئے بیعت کو اور عہد کو جو اللہ تعالیٰ سے اس نے کیا ہے توڑ رہا ہے وہ شخص جو
 محض دنیا کے خوف سے ایسے امور کا مرتکب ہو رہا ہے وہ یاد رکھے کہ بوقت موت کوئی حاکم یا بادشاہ
 اسے نہ چھوڑا سکے گا اس نے احکام الہی کیمن کے پاس جانا ہے جو اس سے دریافت کریگا کہ تو نے میرا پاس
 کیوں نہ کیا اس لئے ہر مومن کے لئے ضروری ہے کہ خدا جو مالک السموات والارض ہو اس پر ایمان لائے
 اور سچی توبہ کرے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ یہ امر بھی یونہی حاصل نہیں ہوتا ہے خدا ہی یہ امر دلیں بھٹا
 تو بیٹھ سکتا ہے سوائے کئے دعا کا رہے +

جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں صدق سے قدم اٹھاتا ہے اسکو ایک عظیم الشان طاقت اور تارق
 عادت قوت دیجاتی ہے مومن کے دل میں ایک جذب ہوتا ہے کہ جس قوت جاذبہ کے ذریعہ وہ دوسروں کو
 اپنی طرف کھینچ لیتا ہے بیش پریم ہو سکتا۔ کہ اگر تم میں جذب محبت خدا کی راہ میں کافی ہو۔ تو پھر کیوں
 لوگ تمہارے طرف نہ کھینچے آوین اور کیوں تم میں ایک مقناطیسی طاقت پیدا نہ ہو جاوے۔ دیکھو ان
 میں سونقہ یوسف میں آیا ہے۔ ”وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَا اَنْ رَّا بَرَّانَ رِبِّهٖ“
 یعنی جب زلیخا نے یوسف کا قصد کیا یوسف بھی زلیخا کا قصد کرتا اگر ہم حائل نہ ہوتے۔ اب کی طرف
 تو یوسف جیسا متقی نبی۔ اور اسکے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ وہ نبی زلیخا کی طرف مائل ہو ہی چکا تھا۔ اگر
 ہم نہ روکتے۔ اس میں سر یہ ہے کہ انسان میں ایک کشش محبت ہوتی ہے زلیخا کی کشش محبت استعد

غالب آدمی ہستی کہ اس کشش نے ایک متقی کو بھی اپنی طرف کھینچ لیا۔ سو جائے شرم ہے کہ ایک عورت میں جذبہ اور کشش اس قدر ہو کہ اسکا اثر ایک مضبوط دلیر ہو جاوے اور ایک شخص جو مومن ہو نہ کیا دھوکے کرتا ہے اس میں جذبہ محبت الہی اس قدر نہ ہو کہ لوگ اس کی طرف کھینچے چلے آویں۔ یہ عذر قابل پذیرائی نہیں کہ زبان میں یاد عظیم اثر نہیں۔ اصلی نقص قوت جاذبہ میں ہے جب تک وہ کامل نہیں بنتا کہ زبانی خالی باتوں سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

اور ہمارے مسائل سو وہ بھی بالکل صاف ہیں مثلاً قرآن کی یہ آیت فلما توفیتی کنت انت الرقیب علیہم۔ اس میں ایک سوال جواب ہو خدا تعالیٰ مسیح علیہ السلام سے پوچھ گیا کہ کیا تو نے لوگوں کو ایسی تعلیم دی تھی کہ مجھے اور میری مان کو معبود بنا لینا تو وہ جواب میں عرض کرینگے کہ بارخدا یا جب تک میں زندہ رہا اور ان میں رہا میں نے تو ان کو ایسی تعلیم نہیں دی۔ البتہ جب تو نے مجھ کو مار دیا تو پھر تو ہی انکا مگر ان حال تھا۔ مجھے کوئی علم نہیں کہ میرے پیچھے انہوں نے کیا کیا۔ یہ کیسی موٹی بات ہے کہ خود مسیح اپنی وفات کا اقرار کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ عیسائی اگر بگڑے تو میری وفات کے بعد بگڑے۔ جب تک میں ان میں زندہ رہا تب تک وہ صحیح عقیدے پر قائم تھے۔ اب اگر عیسائی بگڑ گئے ہیں تو بالضرور مسیح مرنے کا ہے۔ اور اگر مسیح آج تک نہیں مرا تو پھر عیسائی بھی نہیں بگڑے۔ اور اگر عیسائی نہیں بگڑے تو بالضرور عقیدہ الوہیت مسیح بھی درست ہے۔ پھر مسیح کا یہ کہہ دینا کہ مجھے تو انکے بگڑیکا علم نہیں جیسے کہ اسی آیت سے پایا جاتا ہے کیا یہ جواب ان کا جھوٹا نہیں ہوگا۔ اگر ان کا دوبارہ دنیا میں آنا درست ہو کیونکہ یہ سوال جواب تو قیامت کو ہوگا۔ اور اگر انہوں نے دوبارہ دنیا میں آکر چالیس سال رہنا ہو۔ اور عیسائیوں اور کفار کو قتل کر کے اسلام کو پھیلانا ہے۔ تو بالضرور انہوں نے عیسائیوں کی بگڑی ہوئی حالت کو دیکھ لیا ہے اور اس بگڑی ہوئی حالت کو دیکھ کر وہ دوبارہ اس دنیا سے تشریف لے جاوینگے تو پھر جناب مسیح کا یہ جواب دینا خدا کے حضور میں دروغ بیانی ہو گیا وہ احکم الحاکمین نہ کہیگا کہ تو دوبارہ دنیا میں گیا اور تو نے دیکھ لیا کہ میری امت بگڑ چکی تھی۔ ایک مجازی حاکم کے آگے غلط بیانی دروغ علفی کے جوڑ کا خطرناک ارتکاب ہے۔ چہ جائیکہ ایک عالم الغیب حاکم کی جناب میں ایسی دروغ بیانی ہو گئی ہو تو گویا اس آیت نے بڑی صفائی کے ساتھ ایک طرف مسیح کی وفات کو ثابت کر دیا اور دوسری طرف انکے دوبارہ دنیا میں تشریف لانا کا بطلان کر دیا اسکے مقابل جب ہم حدیثوں پر غور کرتے ہیں تو وہاں سے بھی یہی نتیجہ نکلتا ہے۔ حضرت رسالتا نے فرمایا اور متیق علیہ صلیت ہو کہ میں نے جناب مسیح کو حضرت یحییٰ کے ساتھ دیکھا۔ حضرت یحییٰ کا مرنانا اور ان کا اس جماعت میں داخل ہونا جن کی قبض روح ہو چکی ہے ثابت شدہ امر ہے۔ اب یہ کیسے ہو سکتا ہو کہ مسیح بلا قبض روح و انتقال کرینگے ایک ایسے شخص کا جلیس بن جو دنیا سے مرچکا ہے اب ایک طرف قول خدا اور دوسری طرف روایت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہر وفات

مسیح اور ان کا دوبارہ دینا مین واپس نہ آنا قطعی ثابت ہو گیا۔ اب بھی یہ لوگ اگر عقیدہ حیات مسیح سے باز نہ آویں تو یہی سمجھا جاوے گا کہ سچی ہدایت اور سعادت صرف خدا کی طرف سے ہونے کے حال پر تو پھر سعدی کا یہ قول صادق آتا ہے آنکس کہ بقرا آن و خبر نہ رہی + اینست جوابش کہ جوابش نہ ہی + رہا یہ کہ آئیوا الا کون ہے اسکا فیصلہ بھی قرآن وحدیث نے کر دیا سورہ نور نے صاف طور پر بیان کیا ہے کہ رسول اگر مملکت کے خلفاء اس امت میں سے ہونگے۔ بخاری اور مسلم کا بھی یہی مذہب ہے کہ آئیوا الا مسیح اس امت میں سے ہو گا۔ اب ایک طرف قرآن وحدیث نبی اسرائیلی مسیح کی موت اور اسکے دوبارہ نہ آنیکو بیان کرتے ہیں دو بیڑن یہی قرآن وحدیث آئیوا لے مسیح کو اسی امت میں سے ٹھہراتے ہیں تو پھر اب انتظار کس بات کا ہو۔ اب علامات کو بھی دیکھ لیا جاوے۔ صدی کے سر پر مجد کا آنا سب سے تسلیم کیا ہے اور یہ بھی مانا ہے کہ مسیح بھی بطور مجد صدی کے سر پر آوے گا صدی میں سے بائیس سال گزر گئے اور اسوقت تک مجد و نظر نہیں آیا آخر اس صدی کے سر پر جس مجد نے آنا تھا وہ کہاں ہے۔ مہدی کا نشان کسوف و خسوف تھا جو رمضان میں ہوتا تھا۔ اس کسوف و خسوف پر بھی آٹھ سال گزر گئے مہدی نہ آیا۔ اگر یہ کہا جاوے کہ نشان تو ہو گیا لیکن صاحب نشان بعد میں آوے گا تو یہ عقیدہ بڑا فاسد ہے اور قسم قسم کے فسادات کی بنا ہے۔ اگر ایک زمانہ کے بعد کچھ عیسائیاں مہدویت کے مدعی ہو جاویں تو پھر ان میں کون فیصلہ کریگا ضرور کچھ صاحب نشان نشان کے ساتھ ہو۔ یہ لوگ ممبر و نہ پر کچھ صدی کے سرے کو اور کسوف و خسوف کو یاد کیا کرتے اور روتے تھے لیکن جب وہ وقت آیا تو یہی لوگ دشمن بن گئے۔ حدیث کے مطابق تمام نشان واقع ہو گئے لیکن یہ لوگ اپنی ضد سے باز نہیں آتے کسوف خسوف کا عظیم الشان نشان ظاہر ہو گیا لیکن خدا کے اس نشان کی قدر نہ کی گئی۔ اسی طرح کل انبیاء کی کتب سابقہ اور قرآن وحدیث میں ایک اور بلا کی طرف اشارہ تھا جو کسوف خسوف کے آسمانی نشان کے بعد آئیوا لاکھا اور وہ طاعون ہے جو وہ بھی مسیح کے زمانہ سے وابستہ تھی یہ ایک خطرناک مصیبت ہے جس کی طرف ہر ایک اللہ عز و جل نے بالاجمال اشارہ کیا ہے طاعون آگئی۔ لاکھوں انسان تباہ ہو گئے اور نہ معلوم کب تک اسکی تباہی چلتی رہے گی لیکن جس موعود کے زمانہ کی شناخت کا یہ نشان ہے اسے اب تک ان لوگوں نے نہ پہچانا۔ اسی طرح زمین اور آسمان نے شہادت دی۔ لیکن ان شہاد تو مکرری سمجھا گیا۔ خدا غیور ہو اور وہ اپنی غیرت دکھلاے گا ایک مجازی حاکم عدول حکمی پسند نہیں کرتا تو وہ احکام الہی کی بنیاد پر غیور خدا کب اس عدول حکمی کو بلا سزا چھوڑے گا ایک اور نشان اس زمانہ کا وہ کسی سواری تھی جس نے اونٹوں کو بیکار کر دینا تھا۔ قرآن نے عرۃ العشار عطلت۔ (جب اونٹنیاں بیکار ہو جاویں گی) کہہ کر اس زمانہ کا پتہ بتلایا۔ حدیث مسیح کے نشان میں یون کہا۔ لیکن الرقلاص فلاسی عینا پھر یہ نشان کیا پورا نہ ہوا تھے کہ اس سرزمین میں بھی جہان آن تک اونٹنی کی سواری تھی اور بغیر اونٹوں کے گزارہ نہ تھا۔ وہاں بھی اس سواری کا انتظام نہ ہوا

اور چند سالوں میں اونٹوں کی سواری کا نام نشان نہیں ملیگا۔ اونٹنیاں بیکار ہو گئیں۔ مقرر کردہ نشان پورے ہو گئے۔ لیکن جس کا یہ نشان تھا وہ پہچان نہ گیا۔ یہ امور بھی میرے اختیار میں تھے کہ ایک طرف تو میں دعویٰ کروں۔ اور دوسری طرف یہ نشان پورے ہوتے جا دیں۔ کیا آسمانی نظام پر بھی میرا دخل ہے جو کسوف و خسوف موعود کو پیدا کر لیتا۔ یا میرے ہاتھ میں کوئی ایسے واسطہ ہے جن سے زمین پر موعود طاعون پیدا ہو گئی۔ یا حج کار و کنا جو بھی مسیح کا نشان تھا۔ کیا یہ بھی میرے اشارہ سے ہوا۔ اسی طرح بیسیوں نشان زمانہ مسیح کے ساتھ وابستہ تھے وہ سب پورے ہو گئے۔ خدا تعالیٰ نے کونسی جہت کو ان پر پورا نہیں کیا لیکن ان کا انکار بھی اسی طرح ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ زمانہ میں دہریت پھیلی ہوئی ہے جو خفیہ خفیہ سب دلوں پر اثر کر رہی ہے۔ خشیت الہی و ن بدن مفقود ہو رہی ہے۔ کان رکھتے ہیں۔ پر سن نہیں سکتے۔ نہ نکھیں رکھتے ہیں۔ پر نہیں دیکھتے۔ دل رکھتے ہیں۔ پر نہیں سمجھتے۔ ہی وجہ یہ کہ انکار و الامعاملہ تو بہتر ہی صاف تھا۔ میری کتابوں کے دیکھنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ کس قدر اتمام حجت کی گئی ہے۔ اب انکے پاس کوئی جواب نہیں خدا نے قوی دلائل انکار و درشتی کاٹ دیا ہے لیکن یہ نہیں دیکھتے۔ ایک مامور کی شناخت کے تین طریق ہیں۔ نقل۔ عقل۔ تائیدات سماوی۔ اب دیکھنا چاہئے کہ یہ تینوں امور اس سلسلہ کے مؤید ہیں۔ دانیال اور دیگر انبیائے قدامت کے آئینہ زمانہ مقرر کر دیا ہے حتیٰ کہ صدی اور سال بھی مقرر کر دیا ہے۔ تمام عیسائیوں میں ایک قسم کی گھبراہٹ پیدا ہوئی ہے کیونکہ کتب سابقہ کے مطابق مسیح کی آمد کا وقت آچکا ہے اور مسیح ابھی تک آیا نہیں۔ اسلئے بعض علماء اخیر مجبور ہو کر اس طرف گھڑے ہیں کہ مسیح کی آمد ثانی سے مراد کلیسیا کی ترقی ہو جو ہو چکی ہے۔ اسی طرح ہماری کتب کے مطابق بھی بعثت مسیح کا یہی زمانہ ہے حج الکرامہ والے نے لکھا ہے کہ کل اہل کثوف اسی طرف گئے ہیں کہ مسیح کی آمد ثانی کے لئے چودھویں صدی مقرر ہے شاہ ولی اللہ صاحب نے بھی اسی زمانہ کے لئے اسے چراغ دین کہا ہے۔ غرضیکہ ہر ایک بزرگ نے جو زمانہ مقرر کیا ہے۔ وہ چودھویں صدی سے آگے نہیں گیا اگرچہ ان میں کچھ اختلاف ہے۔ چودھویں صدی میں لطیف اشارہ اس طرف تھا کہ دین اسلام چودھویں رات کے چاند کی طرح اس زمانہ میں چمک اٹھے گا جس طرح چاند کا کمال چودھویں رات کو ہوتا ہے اسی طرح اسلام کا کمال کل دنیا میں چودھویں صدی میں ظاہر ہوگا۔ تیرھویں صدی کی تاریکی ان لوگوں میں ضرب المثل ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس صدی کے علماء سے بھیڑیوں نے بھی نجات مانگی تھی۔ یہ لوگ چودھویں صدی کے لئے منتظر تھے۔ لیکن جب صدی آگئی تو اپنی بدبختی کے باعث انکار کر گئے اسی طرح قرآن میں ذکر ہے۔

”لما جاء ہم کتب من عند اللہ مصدق لما سمعوا کالوا من قبل سینفختون علی الذین کفروا فلما جاء ہم ماعرفوا کفروا بہ“ اہل کتاب منتظر تھے کہ پیغمبر کے آنے پر وہ اس کے ساتھ مل کر کفار سے جنگ کریں گے۔ لیکن جب پیغمبر آیا تو انکار پر آمادہ ہو گئے۔

عقل کے نزدیک بھی زمانہ سب سے پہلے کا ہی معلوم ہوتا ہے اور اسلام استغفار کمزور ہو گیا ہو کہ ایک وقت ایک شخص کے مرتد ہو جانے پر اسلام میں شور مچاتا تھا۔ لیکن اب لاکھوں مرتد ہو گئے رات دن نماز و نفقہ اسلام میں کتب تصنیف ہو رہی ہیں اسلام کی بیخ کنی کے واسطے طرح طرح کی نجا و نیز ہو رہی ہیں عقل پسند نہیں کرتی کہ جس خدا نے انا نحن وانا نحن الذکر وانا النحی قتلوں کا وعدہ دیا ہے وہ اس وقت اسلام کی حفاظت نہ کرے اور خاموش رہے یہ زمانہ کس قسم کی مصیبت کا اسلام پر ہے کہ شرفا کی اولاد دشمن اسلام ہو کر گریباؤں میں چلے گئے اور کھلے طور پر رسول اکرم کی توہین ہو رہی ہے ہر ایک قسم کی گالی اور سب و شتم میں لگا دیا جاتا ہے۔ ان تمام امور کو یہ بیعت مجموعی اگر دیکھا جائے تو عقل کہتی ہے کہ یہی وقت خدا کی تائید کا ہے اور میں تم کو سچ کہتا ہوں کہ اگر یہ سلسلہ قائم نہ ہوتا تو اسلام برباد ہو چکا تھا۔ سو خدا کے وجود کا یہ بھی ایک نشان ہے کہ عین ضرورت کے وقت خدا تعالیٰ نے اس سلسلہ کو قائم کیا اور عین مصیبت کے وقت اسلام کو بچھڑا لا۔

تائیدات سماوی بھی اگر دیکھی جاویں تو یہاں بھی ایک بڑا خزانہ ہے۔ خدا تعالیٰ نے اپنے فضل سے ہزار ہا نشان میرے ماتھے پر ظاہر کئے اگر میں ان تمام نشانوں کو جمع کروں جو ہر روز زمین اور میرے ساتھ رہنے والے دیکھتے ہیں تو ان کی تعداد لاکھ کے قریب ہو جاتی ہے۔ قطع نظر اسکے صرف براہین حقہ کے بعض الہامات کو دیکھا جاوے جو میرا برسر ہوئے کہ یہ کتاب تصنیف ہوئی جو اس وقت مکہ مدینہ مصر نجارا۔ لندن اور ایسا ہی ہندوستان کے ہر ایک حصہ میں پہنچ گئی۔ کئی ایک پاپریوں اور دیگر مخفیین اسلام کے گھروں میں اس وقت پہنچ گئی۔ اب اس کتاب میں مثلاً لکھا ہو کہ خدا کی طرف سے مجھے ارشاد ہے کہ اس وقت تو اکیلا ہے اور تیرے ساتھ کوئی نہیں لیکن ایک وقت آویگا کہ لوگ تیرے پاس دور دور سے آویگے (یا توں من کل ریح عمیق) تو لوگوں میں پہچانا جاویگا اور تیری شہرت کیجاوے گی۔ تیری امداد و تائید کو دور دور سے لوگ آویگے۔ پھر کہ لوگ کثرت سے آویگے اور تو ان سے نرمی اور اخلاق سے پیش آنا۔ ان کی ملاقات سے مت گھبرانا اور لا تصور خلق اللہ ولا تسئم من الہام) پھر آخر کار فرمایا اذ جاء نصر اللہ وفتح واسطی امر الزمان الینا۔ ایس ہذا بالحق۔ یعنی جب خدا کی فتح اور نصرت آویگی۔ اور زمانہ کا امر تیری طرف ہستی ہو گا تو اس وقت کہا جائیگا کہ کیا یہ سلسلہ حق نہیں۔ اب لاہور اور امرت سر کے لوگ اور ایسا ہی پنجاب کے اکثر لوگ اس بات سے واقف نہیں کہ براہین کی اشاعت کی وقت مجھے کوئی جانتا نہیں تھا جتنے کہ قادیان میں بھی بہت کم لوگ ہونگے جو مجھے پہچانتے ہونگے۔ پھر یہ امور کس طرح پورے ہو رہے ہیں۔ اگرچہ یہ پیشگوئیاں بدرجہ اتم بھی پوری نہیں ہوئیں لیکن جس قدر ان الہامات کا ظہور ہوتا ہے وہ طالب حق کے لئے کافی ہے۔ اب کیا یہ میری بناوٹ ہے کہ کیا ایک انسان

آج سے چوبیس سال پہلے آج کل کے واقعات کا نقشہ کھینچ سکتا ہے کیا کوئی کہہ سکتا کہ وہ ہزار باغی تھے
 کا مرجع ہو گا خصوصاً جبکہ ایک مدت تک ان امور کا ظہور نہ ہوا۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ امور
 کسی فراست کا نتیجہ نہیں ہو سکتے۔ ان امور کو دیکھ کر میں کہہ سکتا ہوں کہ جس قدر نشانات خدا تعالیٰ
 نے میری تائید میں ظاہر کئے وہ اپنی تعداد اور شوکت میں ایسے ہیں کہ بجز حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
 کل انبیاء و مرسلین سے ایسے ثابت نہیں ہوئے لیکن اس میں میرا کیا فخر ہے۔ یہ سب کچھ تو اس
 پاک نبی کی فضیلت ہے جسکی امت میں ہونی کا مجھے فخر حاصل ہے۔ پھر میں کہتا ہوں کہ آج کل کے
 پیرزادوں اور سجادہ نشینوں کو آزمالو۔ کسی پادری یا کسی مذہب کے سرگروہ کو میرے مقابل میں لاؤ
 خدا تعالیٰ نشان نمائی میں بالضرور اسکو میرے مقابل خستہ اور ذلیل کرے گا۔ یہاں تو نشانات کا دریا
 بہ رہا ہے۔ میرے دوست اس الہام سے خوب واقف ہیں جو دس بارہ سال ہوئے خدا تعالیٰ
 نے مجھے فرمایا انی معین من اراد انک شک وانی معین من اراد اعاشک۔ اس ایک الہام
 کو جس قدر مختلف مواقع اور محل پر میرے دوستوں نے پورا ہوتے دیکھا کس طرح لوگوں نے میری امانت
 اور تذلیل کے لئے بڑے اٹھائے اور کس طرح وہ خود ہی ذلیل اور خوار ہو گئے اسکی ایک مثال نہیں
 بلکہ کئی ایک مثالیں ہیں ان میں ضرور ہے کہ ان نشانات کو دیکھ کر بھی لوگ ابھی گمراہ ہیں سو بات یہ
 ہے کہ دنیا میں ہمیشہ سے دو گروہ چلے آئے ہیں ایک سید و سرماشتی۔ ابو جہل نے ہزاروں نشان
 دیکھے لیکن وہ کافر ہی رہا۔ سو اس صورت میں مومن کے لئے ضرور ہے کہ وہ دو عالمیں لگجائے
 آپ نے جو آج مجھ سے بیعت کی ہے یہ تخم ریزی کی طرح ہے۔ چاہئے کہ آپ مجھ سے اکثر
 ملاقات کریں اور اس تعلق کو مضبوط کریں جو آج قائم ہوا ہے جس شلخ کا تعلق درخت سے نہیں
 رہتا وہ آخر کا خشک ہو کر گر جاتی ہے جو شخص زندہ ایمان رکھتا ہے وہ دنیا کی پروا نہیں رکھتا دنیا
 ہر طرح لمبائی ہے۔ دنیا پر دین کو مقدم رکھنے والا ہی مبارک ہے لیکن جو دنیا کو دین پر مقدم رکھتا ہو
 وہ ایک مردار کی طرح ہے۔ جو کبھی سچی نصرت کا منہ نہیں دیکھتا۔ یہ بیعت اس وقت کام آسکتی ہے جب دین
 کو مقدم کر لیا جاوے۔ اور اس میں ترقی کرنیکی کوشش ہو۔ بیعت ایک بیج ہے جو آج بویا گیا اب اگر کوئی
 کسان صرف زمین میں تخم ریزی پر ہی قناعت کرے اور پھل حاصل کر نیلے جو جو فرائض ہیں ان میں
 سے کوئی ادا نہ کرے نہ زمین کو درست کرے اور نہ آبیاری کرے اور نہ موقع بہ موقع مناسب
 کھا دین میں ڈالے نہ کافی حفاظت کرے تو کیا وہ کسان کسی پھل کی امید کر سکتا ہے۔ ہرگز نہیں۔
 اسکا کھیت بالضرور تباہ اور خراب ہو گا کھیت اسی کام ہو گا۔ جو پورا زمیندار بنے گا۔ سو ایک طرح کی
 تخم ریزی آپ نے بھی آج کی ہے۔ خدا جانتا ہے کہ کس کے مقدور میں کیا ہے لیکن خوش قسمت وہ
 ہے جو اس تخم کو محفوظ رکھے اور اپنے طور پر ترقی کے لئے دعا کرتا رہے۔ مثلاً نمازوں میں ایک

قسم کی تبدیلی ہونی چاہئے میں دیکھتا ہوں کہ آج کل لوگ جس طرح نماز پڑھتے ہیں وہ محض ٹکڑے مانا ہے ان کی نماز میں اس قدر بھی رقت اور لذت نہیں ہوتی جس قدر نماز کے بعد اٹھ کر دعائیں ظاہر کرتے ہیں۔ کاش یہ لوگ اپنی دعائیں نماز میں ہی کہتے شاید ان کی نمازوں میں حضور اور لذت پیدا ہو جاتا۔ مسئلے میں حکماً آپکو کہتا ہوں کہ سر دست آپ بالکل نماز کے بعد دعا نہ کریں اور وہ لذت اور حضور جو دعا کے لئے رکھا ہے دعاؤں کو نمازوں میں کر نیسے پیدا کریں۔ پیر مطلب یہ نہیں کہ نماز کے بعد دعا کرنی منع ہے لیکن میں چاہتا ہوں کہ جب تک نماز میں کافی لذت و حضور پیدا ہو نماز کے بعد دعا کرنے میں نماز کی لذت کو مت گنواؤ۔ ہاں جب یہ حضور پیدا ہو جائے تو کوئی ہرج نہیں سو بہتر ہے کہ نماز میں دعائیں اپنی زبان میں مانگو جو طبعی جو شقی کی مادری زبان میں ہوتا ہو وہ ہرگز غیر زبان میں پیدا نہیں ہو سکتا سو نمازوں میں قرآن اور مانورہ دعاؤں کے بعد اپنی ضرورت کو برنگ دعا اپنی زبان میں خدا تعالیٰ کے آگے پیش کرنا کہ آہستہ آہستہ تمکو حلاوت پیدا ہو جائے سب عمدہ دعا یہ ہے کہ خدا کی رضا مندی اور گناہ سے نجات حاصل ہو کیونکہ گناہوں سے ہی دل سخت ہوتا اور انسان دنیا کا گیر بن جاتا ہے۔ ہماری دعا یہ ہونی چاہئے کہ خدا تعالیٰ ہم سے گناہوں کو جو دل کو سخت کر دیتے ہیں دور کر دے اور اپنی رضا مندی کی راہ دکھائے۔ دنیا میں مومن کی مثال اس سوار کی ہے کہ جو جنگل میں جا رہا ہے اور راہ میں بسبب گرمی اور ٹکان سفر کے ایک درخت کے نیچے سستانے کے لئے ٹھہر جاتا ہے لیکن ابھی گھوڑے پر سوار ہے اور کھڑا کھڑا گھوڑے پر ہی کچھ آرام لیکر آگے اپنے سفر کو جاری رکھتا ہے لیکن جو شخص اس جنگل میں گھر بنا لے وہ ضرور درختوں کا شکار ہو گا مومن دنیا کو گھر نہیں بناتا اور جو ایسا نہیں خدا اس کی پروا نہیں کرتا۔ نہ خدا کے نزدیک دنیا کو گھر بنانے کی عزت ہے۔ خدا مومن کی عزت کرتا ہے حدیث میں آیا ہے کہ مومن نوافل کے ساتھ خدا کا قرب حاصل کر لیتا ہے۔ نوافل سے مراد یہ ہے کہ خدمت مقرر کردہ مین زیادتی کیجاوے۔ ہر ایک خیر کے کام میں دنیا کا بندہ ٹھوڑا سا کوشش کرتا ہے لیکن مومن زیادتی کرتا ہے۔ نوافل صرف نماز سے ہی مختص نہیں بلکہ ہر ایک حسنت میں زیادتی کرنا نوافل ادا کرنا ہے۔ مومن محض خدا کی خوشنودی کیلئے ان نوافل کی فکر میں لگا رہتا ہے اسکے دل میں ایک درد ہے جو اسے بے چین کرتا ہے اور وہ دن بدن نوافل و حسنت میں ترقی کرتا جاتا ہو اور بالمقابل خدا بھی اسکے قریب ہوتا جاتا ہے حتیٰ کہ مومن اپنی ذات کو فنا کر کے خدا کے سایہ تلے آ جاتا ہے۔ پھر اس کی آنکھ خدا کی آنکھ اسکے کان خدا کے کان ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ وہ کبھی معاملہ میں خدا کی مخالفت نہیں کرتا۔ ایک روایت میں یہ بھی آئی کہ اسکی زبان خدا کی زبان اور اسکا ماتھ خدا کا ماتھ ہو جاتا ہے پھر خدا تعالیٰ نے فرماتا ہے کہ مجھے کسی بات میں استغدر نہ دو نہیں ہوتا جبکہ مومن کی جان لگانے میں تردد ہوتا ہے۔ یوں تو خدا کی ذات سب

تردوات سے پاک ہے لیکن یہ فقرہ جو فرمایا تو مومن کے اکرام کے لئے فرمایا۔ اب دوسرے لوگ کیڑے کوڑوں کی طرح مرجاتے ہیں لیکن مومن کا معاملہ دگرگون ہے مجھے یہ سمجھ آتی ہے کہ جو صلی اور انبیاء کی زندگی آئے دن طرح طرح کی بیماریوں میں مبتلا رہتی ہے اور بعض وقت ان کو خوفناک امراض لاحق ہو جاتے ہیں جیسے کہ ہمارے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت تھی۔ یہ اس تردّد کا اظہار ہے جس کا اوپر ذکر ہوا ہے گویا اللہ تعالیٰ اس سے معاملہ ایسا کرتا ہے جیسا کہ ایک انسان تردّد کی حالت میں کرتا ہے۔ اور خوفناک بیماریوں سے اسے نجات دیکر ظاہر کر دیتا ہے کہ وہ اسے معمولی انسانوں کی طرح ضائع نہیں کرتا۔ قرآن اور حدیث سے ثابت ہے کہ مومن کی ہر ایک چیز بרכת ہو جاتی ہے جہاں وہ بیٹھتا ہے وہ جگہ دوسروں کے لئے موجب بרכת ہوتی ہے اسکا پس خوردہ اور دنگے لئے شفا ہے حدیث میں آیا ہے کہ ایک گنہگار خدا تعالیٰ کے سامنے لایا جا دیکھا خدا تعالیٰ اس سے پوچھیکا کہ تو نے کوئی نیک کام کیا۔ وہ کہیکا کہ نہیں۔ پھر خدا تعالیٰ اسکو کہیکا کہ فلاں مومن کو تو ملا وہ کہیکا۔ خداوند امین ارادتا تو کبھی نہیں ملا وہ خود ہی ایک دن مجھے راستہ میں ملکیا۔ خدا تعالیٰ اسے بخشد لگا۔ پھر ایک اور موقع پر حدیث میں آیا ہے کہ خدا تعالیٰ فرشتوں سے دریافت کر لگا کہ میرا ذکر کہاں پر ہوتا ہے وہ کہینگے کہ ایک حلقہ مومنین کا تھا جہاں دنیا کے ذکر کا نام و نشان بھی نہ تھا۔ البتہ ذکر الہی آٹھون پر ہوتا ہے۔ ان میں یہ ایک دنیا پرست شخص تھا۔ اللہ تعالیٰ فرما دیکھا کہ میں نے اس دنیا دار کو اس ہم نشین کے باعث بخش دیا۔ انہم قوم لایثمی جلیسہم۔ بعض حدیثوں میں آیا ہے کہ جہاں ایک مومن امام ہو۔ اس کے مقتدی پیش آئیں کہ وہ سجدہ سے سر اٹھاوے بخشد لئے جائے ہیں۔

مومن وہ ہے کہ جبکہ دین محبت الہی نے عشق کے رنگ میں جڑ پکڑ لی ہو۔ اس نے فیصلہ کر لیا ہو کہ وہ ہر ایک تکلیف اور ذلت میں بھی خدا کا ساتھ نہ چھوڑے گا جس نے یہ فیصلہ کر لیا ہو کہ کب کب کا شمس کہتا ہے کہ وہ ضائع ہوگا۔ کیا کوئی رسول ضائع ہوا۔ دنیا ناخون تک انکو ضائع کرنے کی کوشش کرتی ہے لیکن وہ ضائع نہیں ہوتے۔ جو خدا کے لئے ذلیل ہوا وہی انجام کار عزت و جلال کا تخت نشین ہوا۔ ایک ایو بکر کو ہی دیکھو جس نے سب سے پہلے ذلت قبول کی اور سب سے پہلے تخت نشین ہوا۔ اس میں شک نہیں کہ پہلے کچھ نہ کچھ دکھا اٹھا تا پڑتا ہے۔ کسی نے سچ کہا ہے۔ عشق اول سرکش و خونی بود + ناگزیر دہر کہ میر دنی بود + عشق الہی بیشک اول سرکش و خونی ہوتا ہے تاکہ نا اہل دور ہو جاوے۔ عاشقان خدا تکالیف میں ڈالے جاتے ہیں قسم قسم کے مالی اور جسمانی مصائب اٹھاتے ہیں اور اس سے غرض یہ ہوتی ہے کہ انکے دل پہچانے جاویں۔ خدا تعالیٰ نے یہ امر مقرر کر دیا ہے کہ جتنا کوئی پہلے دوزخ پر راضی نہ تھا وہی بہشت میں نہیں جاتا۔

بہشت دیکھنا اسی کو نصیب ہوتا ہے جو پہلے دوزخ دیکھنے کو تیار ہوتا ہے دوزخ سے مراد آئندہ دوزخ نہیں بلکہ اس دنیا میں مصائب شدائد کا نظارہ مراد ہے۔ اسی طرح ایک حدیث میں آیا ہے کہ کافر کے لئے دوزخ بہشت کے رنگ میں اور مومن کے لئے بہشت دوزخ کے رنگ میں متبرک کیا جاتا ہے۔ کافر جو دنیا کا طالب ہو دنیا میں نہ ہو کر سب دنیا ہو جاتا ہے مومن ایک عاشق ہے جو دنیا کو طلاق دیکر ہر ایک تکلیف سہنے کو تیار ہوتا ہے۔ اور فی الواقع یہ عشق ہی ہے جو اسے ہر کم کی تکلیف سہنے کے لئے آمادہ کر دیتا ہے۔ مومن کا رنگ عاشق کا رنگ ہوتا ہے اور وہ اپنے عشق میں صادق ہوتا ہے۔ اور اپنے معشوق یعنی خدا کے لئے کامل اخلاص اور محبت اور جان فدا کر نیوالا جو ش اپنے اندر رکھتا ہے۔ اور تضرع اور استہمال اور ثابت قدمی سے اسکے حضور میں قائم ہوتا ہے۔ دنیا کی کوئی لذت اس کے لئے لذت نہیں ہوتی۔ اس کی روح اسی عشق میں پرورش پاتی ہے۔ معشوق کی طرف سے استغناء دیکھ کر وہ گھبراتا نہیں۔ اس طرف سے خاموشی اور بے اتفاقی بھی معلوم کر کے وہ کبھی ہمت نہیں ہارتا۔ بلکہ ہمیشہ قدم آگے ہی رکھتا ہے۔ اور درود زیادہ سے زیادہ پیدا کرتا جاتا ہے۔ ان دو چیزوں کا ہونا ضروری ہے کہ مومن عاشق کی طرح فطرتاً ہی میں پورا استغراق ہو عشق کمال ہو۔ محبت میں سچا جوش اور عہد عشق میں ثابت قدمی ایسی کوٹ کوٹ کے بھری ہو کہ جس کو کوئی صدمہ جنبش میں لائے سکے۔ اور معشوق کی طرح فطرتاً ہی بے پروا اور خاموشی ہو۔ درود و قسم کی موجود ہو۔ ایک تو وہ جو اللہ تعالیٰ کی محبت کا درد ہو۔ دوسرا وہ جو کسی کی مصیبت پر دلمین درد اسٹھے اور تیر خواہی کے لئے اضطراب پیدا ہو اور اس کی اعانت کے لئے بے چینی پیدا ہو۔ خدا تعالیٰ کی محبت کے لئے جو اخلاص اور درد ہوتا ہے اور ثابت قدمی اسکے ساتھ ملی ہوئی ہوتی ہے۔ وہ انسان کو بشریت سے الگ کر کے الوہیت کے سایہ میں لاؤں گا۔ جب تک اس حد تک درد اور عشق نہ پہنچ جائے کہ جس میں غیر اللہ سے محبت حاصل ہو جائے اس وقت تک انسان خطرات میں پڑا رہتا ہے۔ ان خطرات کا استیصال بغیر اس امر کے مشکل ہوتا ہے کہ انسان غیر اللہ سے بالکل منقطع ہو کر اسی کا ہو جائے اور اس کی رضا میں داخل ہونا بھی محال ہوتا ہے اور اس کی مخلوق کے لئے ایسا درد ہونا چاہئے جس طرح ایک نہایت ہی مہربان والدہ اپنے ناتوان پیارے بچے کے لئے دل میں سچا جوش محبت کھتی ہے۔ خدا تعالیٰ ایک تعلق چاہتا ہو اور اسکے حضور میں دعا کرانیکے لئے تعلق کی ضرورت ہے بغیر تعلق کے دعا نہیں ہو سکتی۔ پہلے بزرگوں کی بھی اسی قسم کی باتیں چلی آتی ہیں کہ جن سے دعا کرانیوالو کو دعا کرنے سے پہلے تعلق ثابت کرنے کی تاکید کی۔ خواہ بخوار بازار میں چلتے ہوئے کسی بے تعلق کو کوئی نہیں کہہ سکتا کہ تو میرا دوست ہے اور نہ ہی اسکے لئے درود ہی ہوتا

ہے اور نہ ہی جوش و عا پیدا ہو سکتا ہو۔ اللہ تعالیٰ سے تعلق اس طرح نہیں ہو سکتا کہ انسان غفلت کا ریون میں مبتلا بھی رہے اور صرف منہ سے دم بھرتا رہے کہ میں نے خدا سے تعلق پیدا کر لیا ہے۔ اکیلے بیعت کا اقرار اور سلسلہ میں نام لکھا لینا ہی خدا سے تعلق پر کوئی دلیل نہیں ہو سکتی۔ اللہ تعالیٰ سے تعلق کیلئے ایک نحویت کی ضرورت ہو۔ ہم بار بار اپنی جماعت کو اس بات پر قائم ہو نیکی لئے کہتے ہیں کیونکہ جب تک دنیا کی طرف سے انقطاع اور اسکی محبت دل کو ٹھنڈی ہو کر اللہ تعالیٰ کیلئے فطرتوں میں طبعی جوش اور نحویت پیدا نہیں ہوتی اسوقت تک ثبات سیر نہیں آسکتا۔ بعض صوفیوں نے لکھا ہے کہ صحابہ جب نماز میں پڑھا کرتے تھے تو انہیں ایسی نحویت ہوتی تھی کہ جب فارع ہوتے تو ایک دوسرے کو ہچان بھی نہ سکتے تھے۔ جب انسان کسی اور جگہ سے آتا ہے تو شریعت نے حکم دیا ہو کہ وہ اگر اسلام علیکم کہے۔ نماز سے فارع ہوتے وقت اسلام علیکم و رحمۃ اللہ کے کہنے کی حقیقت یہی ہے کہ جب ایک شخص نے نماز کا عقد باندھا اور اللہ اکبر کہا تو وہ گویا اس عالم سے نکل گیا اور ایک نئے جہان میں جا داخل ہوا گویا ایک تمام نحویت میں جا پہنچا پھر جب وہاں سے واپس آیا تو اسلام علیکم و رحمۃ اللہ کہہ کر آن ملا۔ لیکن صرف ظاہری صورت کافی نہیں ہو سکتی۔ جب تک دل میں اسکا اثر نہ ہو۔ چھلکوں سے کیا ہاتھ آسکتا ہے۔ محض صورت کا ہونا کافی نہیں۔ حال ہونا چاہئے۔ علمت غائی حال ہی ہے۔ مطلق قال اور صورت جسکے ساتھ حال نہیں ہوتا وہ تو الٹی ہلاکت کی راہیں ہیں۔ انسان جب حال پیدا کر لیتا ہے اور اپنے حقیقی ذات و مالک سے ایسی سچی محبت اور اخلاص پیدا کر لیتا ہے کہ یہ بے اختیار اس کی طرف پروا کرنے لگتا ہے اور ایک حقیقی نحویت کا عالم اسپر طاری ہوتا ہے تو اسوقت اس کیفیت سے انسان گویا سلطان بن جاتا ہے۔ اور ذرہ ذرہ اسکا خادم بن جاتا ہے مجھے تو اللہ تعالیٰ کی محبت نے ایسی نحویت دی تھی کہ تمام دنیا سے الگ ہو بیٹھا تھا۔ تمام چیزیں سوائے اسکے مجھے ہرگز بھاتی نہ تھیں میں ہرگز ہرگز حجرہ سے باہر قدم رکھنا نہیں چاہتا تھا۔ میں نے ایک لمحہ کے لئے بھی شہرت کو پسند نہیں کیا۔ میں بالکل تنہائی میں تھا اور تنہائی ہی مجھ کو بھاتی تھی۔ شہرت اور جماعت کو جس نفرت سے میں دیکھتا تھا۔ اسکو خدا ہی جانتا تھا میں تو طبعاً گناہی کو چاہتا تھا۔ اور یہی میری آرزو تھی۔ خدا نے مجھ پر جبر کر کے اس سے مجھے باہر نکالا۔ میری ہرگز مرضی نہ تھی۔ مگر اس نے میرے خلاف مرضی کیا۔ کیونکہ وہ ایک کام لینا چاہتا تھا۔ اس کام کے لئے اس نے مجھے پسند کیا اور اپنے فضل سے مجھ کو اس عہدہ علیحدہ پر مامور فرمایا۔ یہ اسی کا اپنا انتخاب اور کام ہے میرا اس میں کچھ دخل نہیں۔ میں تو دیکھتا ہوں کہ میری طبیعت اس طرح واقع ہوئی ہے کہ شہرت اور جماعت کو میں پسند کرتا ہوں اور مجھے سمجھ میں نہیں

آتا کہ لوگ کس طرح شہرت کی آرزو رکھتے ہیں۔ میری طبیعت اور طرف جاتی تھی لیکن خدا مجھے اور طرف نہ جاتا تھا میں نے بار بار دعا مانگی لیکن کہ مجھے گوشہ دین ہی رہنے دیا جائے مجھے میری خلوت کے حجرے میں چھوڑ دیا جائے لیکن بار بار یہی حکم ہوا کہ اس سے نکلو اور دین کا کام جو اس وقت سخت مصیبت کی حالت میں تھا اسکو سنو اور۔ انبیاء کی طبیعت اسی طرح واقعہ ہوتی ہے کہ وہ شہرت کی خواہش نہیں کیا کرتے کسی نبی نے شہرت کی کبھی خواہش نہیں کی۔ ہمارے بنی صلح بھی خلوت اور تنہائی کو ہی پسند کرتے تھے آپ عبادت کر نیکے لئے لوگوں سے دور تنہائی کی غار میں جو غار حرا تھی چلے جاتے تھے۔ یہ غار فقہ خوفناک تھی کہ کوئی انسان اس میں جانے کی جرأت نہ کر سکتا تھا۔ لیکن آپ نے اسکو اسلئے پسند کیا ہوا تھا کہ وہاں کوئی ڈر کے مارے بھی نہ ہو نہ بچیکا۔ آپ بالکل تنہائی کو چاہتے تھے شہرت کو ہرگز پسند نہیں کرتے تھے مگر خدا کا حکم ہوا یا ایسا اللہ شرم خانہ۔ اس حکم میں ایک جبر معلوم ہوتا ہے اور اسی لئے جبر سے حکم دیا گیا کہ آپ تنہائی کو جو آپ کو بہت پسند تھی اب چھوڑ دیں۔ بعض لوگ بیوقوفی اور حماقت سے یہی خیال کرتے ہیں کہ گویا میں شہرت پسند ہوں۔ میں بار بار کہہ چکا ہوں کہ میں ہرگز شہرت پسند نہیں خدا نے جبر سے مجھکو مامور کیا ہے میرا اس میں کیا قصور ہے اس نے مجھے مامور کیا ہے اور وہی گواہ ہے کہ میں شہرت پسند نہیں ہوں۔ میں دنیا سے ہزاروں کوسوں بھاگتا تھا خدا کا سدا لوگوں کی طرف چونکہ زمین اور اس کی اشیاء تک ہی نظر محدود ہوتی ہے اور وہ دنیا کے کپڑے ہیں اور شہرت پسند ہوتے ہیں انکو اس خلوت گزینی اور بے تعلقی کی کیفیت ہی معلوم نہیں ہو سکتی۔ ہم تو دنیا کو نہیں چاہتے اگر وہ جہاں میں اور اس پر قدرت رکھتے ہیں تو سب دنیا لیا جائیں ہمیں ان پر کوئی گناہ نہیں۔ ہمارا ایمان تو ہمارے دلیں ہے نہ دنیا کے ساتھ۔ ہماری خلوت کی ایک ساعت ایسی قیمتی ہے کہ ساری دنیا اس ایک ساعت پر قربان کرنا چاہئے اس طبیعت اور کیفیت کو سوائے خدا کے کوئی نہیں جانتا مگر ہم نے خدا کے امر پر جان و مال و آبرو کو قربان کر دیا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کسی کے دلیں بخشی کرتا ہے تو پھر وہ پوشیدہ نہیں رہتا۔ عاشق اپنے عشق کو خواہ کیسے ہی پوشیدہ کرے مگر بھید پائیوالے اور ٹاٹنے والے قرائن اور آثار اور حالات سے پہچان ہی جاتے ہیں۔ عاشق پر وحشت کی حالت نازل ہو جاتی ہے اور اسی اسکے سارے وجود پر چھا جاتی ہے۔ الگ قسم کے خیالات اور حالات اسکے ظاہر ہو جاتے ہیں وہ اگر ہزاروں پردوں میں چھپے اور اپنے آپ کو چھپالے مگر چھپا نہیں رہتا۔ سچ کہا ہے۔ عشق پوشک را نتوان نہفتن۔ جن لوگوں کو محبت الہی ہوتی ہے وہ اس محبت کو چھپاتے ہیں جس کو انکے دل بے زیر شکنجہ ہیں بلکہ اسکے افشا پر وہ شرمندہ ہوتے ہیں کیونکہ محبت اور عشق ایک راز ہے جو خدا اور اسکے بندہ کو درمیان ہوتا ہے اور ہمیشہ راز کا فاش ہونا شرمندگی کا موجب ہوتا ہے کوئی رسول نہیں آیا جسکا خدا سے راز نہیں ہوتا۔ اسی راز کو چھپانے کی خواہش اسکے اندر ہوتی ہے مگر مشوق خود اسکو فاش کرنے پر مجبور کرتا ہے۔ اور جس بات کو وہ نہیں چاہتے

وہی انگوٹھی ہے۔ جو چاہتے ہیں ان کو ملتا نہیں اور جو نہیں چاہتے ان کو جبراً ملتا ہے۔ جب تک انسان اونٹنے حالت میں ہوتا ہے اسکے خیالات بھی اونٹنے ہی ہوتے ہیں اور جس قدر معرفت میں گرا ہوا ہوتا ہے اسی قدر محبت میں کمی ہوتی ہے معرفت سے حسن ظن پیدا ہوتا ہے۔ ہر شخص میں محبت اپنے ظن کی نسبت سے ہوتی ہے انا عند ظن عبیدی لی سے یہی تعلیم ملتی ہے۔ صادق عاشق جو ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ پر حسن ظن رکھتا ہے کہ وہ اسکو کبھی ہنر چھوڑے گا۔ خدا تو وفاداری کرنا پسند کرتا ہے بلکہ وہ چاہتا ہے کہ انسان صدق دکھلاوے اور اس پر ظن نیک رکھے کہ تا وہ بھی وفادار کھلائے۔ مگر یہ لوگ کب اس حقیقت کو سمجھ سکتے ہیں۔ یہ تو اپنی ہواؤں ہوس کے بتوں کے آگے جھکے رہتے ہیں اور ان کی نظر دنیا تک ہی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کو کریم و رحیم نہیں سمجھتے اسکے وعدوں پر ذرا ایمان نہیں رکھتے اگر اللہ تعالیٰ کے وعدوں پر ایمان رکھتے کہ وہ رحیم و کریم ہے تو ابھی ان پر رحمت اور وفا کے ثبوت نازل کرتا۔ سہ گروں پر خدا اثر کرے۔ یہ یمنان کنز ملک ملک بودے + شریک ظنی سے پیدا ہوتا ہے۔ قرآن شریف کو اول سوا آخر تک پڑھنے سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ سے بد ظنی مت کرو۔ اللہ کا ساتھ نہ چھوڑو۔ اسی سے مدد مانگو۔ اللہ تعالیٰ ہر میدان میں مومن کی مدد کرتا ہوا اور کہتا ہے کہ میدان میں میں تیرے ساتھ ہوں۔ وہ اسکے لئے ایک فرقان پیدا کر دیتا ہے جو اسکے وعدوں پر بھروسہ نہیں کرتا وہ بد ظنی کرتا ہے جو شخص خدا سے نیک ظن کرتا ہے وہ اسکی طرف رجوع کرتا ہے اور جو اللہ تعالیٰ سے بد ظنی کرتا ہے وہ مجبور ہوتا ہے کہ اپنے لئے کوئی دوسرا معبود بنائے اور شرک میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ جب انسان اس بات کو سمجھتا ہے کہ خدا کریم و رحیم ہے اور اس بات پر ایمان صدق دل آتا ہے۔ کہ اسکے وعدے ٹھیکے نہیں تو وہ اس پر ایمان فدا کرتا ہے اور درپردہ خدا سے عشق رکھتا ہے۔ ایسا انسان خدا کا چہرہ اسی دنیا میں دیکھ لیتا ہے نہ طرح طرح سے اس کی مدد کرتا ہے اور اپنے انعامات اس پر نازل کرتا ہے اور اسکو تسلی بخشتا ہے اور محبت اور وفا کا چہرہ دکھاتا ہے لیکن یہ وفا خدا کا چہرہ نہیں ہے۔

”افغانوں اور کشمیریوں کی صل“

(ترجمہ از رسول بلٹری گزٹ لاہور)

جناب ایڈیٹر صاحب

اس مضمون پر پہلے بہت کچھ قلم فرسائی کی جا چکی ہے۔ اور مشہور و سرسبز اور وہ محققین

کی تحقیقات میں اس نتیجے پر پہنچی ہیں کہ افغان اور کشمیری بنی اسرائیل ہیں۔ امید کی جاتی ہے کہ میری یہ چند سطور بھی خالی از دل چسپی نہ ہونگی۔ یہ ایک مشہور تاریخی واقعہ ہے کہ بنی اسرائیل کی بارہ قوموں سے دس قومیں گرفتار ہو کر ملک فارس میں آباد کی گئیں۔ موجودہ یہودی جو دنیا کے ایک بڑے پرمختلڑ ہوئی ہوئی ہیں یہ بنی اسرائیل کی ان دو قوموں کی اولاد ہیں جو کہ جلاوطنی سے بچ گئی تھیں۔ یہ امر بہت زیر بحث چلا آیا ہے کہ باقی دس قومیں کدھر گئیں اور اب مسئلہ قطعی طور پر حل ہو گیا ہے کہ اہل افغانستان و کشمیر انہیں دس قوموں کی اولاد ہیں جو جلاوطن کی گئی تھیں۔ افغانوں اور کشمیریوں کے بنی اسرائیل ہونے کی بہت سی شہادتیں موجود ہیں اور بعض ان میں سے ایسی قطعی ہیں کہ ان میں سے ایک ایک بھی بجائے خود ان قوموں کے بنی اسرائیل ہونیکا کافی ثبوت ہے۔ وہ شہادتیں مختصر حسب ذیل ہیں۔

(۱) قومی روایت کی شہادت۔

افغان بالاتفاق گواہی دیتے ہیں کہ بنی اسرائیل ہیں۔ انکے مشہور خاندانوں کے پاس شجرے اور نسب نامے ہیں جن سے انکا بنی اسرائیل ہونا ثابت ہوتا ہے ایک قوم کی متفق علیہ شہادت ایک ایسا زبردست ثبوت ہے جسکو ہم لاپرواہی سے نظر انداز نہیں کر سکتے انکا دعوے ضرور سچائی پر مبنی ہے۔ صرف موجودہ نسل ہی بنی اسرائیل ہونیکا دعوے نہیں کرتی بلکہ نسلاً بعد نسل افغان یہی دعوے پیش کرتے رہے ہیں۔ انکے نسب نامے انکے دعوے کی تائید کرتے ہیں پس ان کا یہ دعوے بے بنیاد نہیں ہو سکتا۔ اگر یہ بنی اسرائیل نہیں ہیں تو کیا وجہ ہے کہ یہ قوم قدیم سے بالاتفاق بنی اسرائیل ہونیکا دعوے کرتی چلی آتی ہے۔ پھر جب ہم دیکھتے ہیں کہ روئے زمین پر کوئی اور ایسی قوم موجود نہیں ہے جو کہ گم شدہ اسرائیل قبیلوں کی اولاد ہونیکا دعوے کرتی ہو تو یہ امر افغانوں کے دعوے کو اور بھی تقویت پہنچاتا ہے۔ اگر ہم افغانوں کو دعوے کو رد کر دیں تو ہمیں کوئی اور قوم بتلانی چاہئے جو کہ گم شدہ اسرائیلیوں کی نسل میں ہونیکا دعوے کرتی ہو۔ اسرائیل تو میں فارس میں قید ہو کر آئی تھیں اور افغانستان فارس کی سرحد پر واقع ہے۔ یہ بہت قرین قیاس ہے کہ وہ مشرق کی طرف بڑھی ہوں اور افغانستان اور کشمیر میں آباد ہو گئی ہوں + بائبل سے معلوم ہوتا ہے کہ شانان فارس ان سے بہت بدسلوکی کرتے تھے۔ ضرور وہ انکے ظلم سے بچنے کے واسطے مشرقی بلاد میں آکر آباد ہو گئی۔ انکی تعداد روز بروز بڑھتی جاتی تھی پس انکے واسطے ضرور تھا کہ وہ اپنے رہنے کے لئے اور گھر تلاش کریں۔

(۲) ظاہری خط و خال کی شہادت۔

ایک طرف تو افغان اپنی زبان سے بنی اسرائیل ہونیکا دعوے کرتے ہیں دوسری طرف انکے خط و خال بزبان حال بیان کر رہے ہیں کہ ہم بنی اسرائیل ہیں اور کشمیر ہمارے خط و خال افغانوں کی نسبت اور بھی زیادہ یہودیوں سے ملتے جلتے ہیں ان کے پڑوس میں چینی اور ہندو ہیں مگر انکے خط و خال افغانوں اور یہودیوں سے بہتیں ملتے ایک یہودی ایک بھٹان اور کشمیری کو ایک صف میں کھڑا کر دو تو تم ضرور بول اٹھو گے کہ یہ اپنی ظاہری شکل و شبہات میں بالکل باہم مشابہ ہیں۔

(۳) لباس کی شہادت :- افغانوں اور کشمیریوں کا لباس بھی اس نتیجہ کی طرف رہنمائی کرتا ہے کہ یہ قومیں بنی اسرائیل ہیں۔ یہ برخلاف ہندوؤں اور چینیوں کے لمبے اور کھلے چنچے پہنتے ہیں جس کا رواج بنی اسرائیل میں تھا جیسا کہ اناجیل سے بھی ظاہر ہوتا ہے۔

(۴) رسم و رواج کی شہادت :- ان کی بہت سی رسومات یہودیوں کی رسومات سے مشابہ ہیں۔ مثلاً افغان شگنی اور شادی میں کوئی فرق نہیں کرتے اور شادی سے پہلے اکثر لڑکے اور لڑکی میں بے تکلفی رہتی ہے۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ شادی سے پہلے عورتیں حاملہ بھی ہو جاتی ہیں۔

(۵) اخلاق و اطوار کی شہادت :- یہودیوں کی طرح افغان بھی زور در نج خود غرض سرکش۔ کندہن۔ جاہل۔ تند مزاج۔ خونخوار۔ سخت دل۔ کج رو۔ وغیرہ وغیرہ ہوتے ہیں + (۶) اسماء کی شہادت :- افغان صرف بنی اسرائیل ہونیکا دعوے ہی نہیں کرتے بلکہ انکے قبائل انکے پہاڑوں۔ اور انکے دریاؤں کے نام بھی۔ بزرگان اسرائیل کے نام پر رکھے گئے ہیں۔ مثلاً موسے خیل۔ تخت سلیمان۔ کوہ مری۔ کوہ سلیمان۔ زئی۔ داؤد زئی۔ یوسف زئی۔ درہ خیبر وغیرہ وغیرہ۔ علاوہ ازیں اب تک افغانوں اور کشمیریوں میں اسرائیلی ناموں کا بہت رواج پایا جاتا ہے۔

(۷) شہروں کے ناموں کی شہادت :- گویہ شہادت نمبر ۷ کے نیچے آسکتی تھی۔ مگر چونکہ یہ نہایت ضروری ہے اور خاصکر نزلے طرز کی ہے اس لئے میں نے اسکو ایک نئے عنوان کے نیچے رکھا ہے۔ افغانستان اور کشمیر میں بہت سے ایسے شہر ہیں جن کے نام شام کے قدیمی شہروں کے ناموں پر رکھے گئے ہیں جب ایک ملک کے لوگ کسی دوسرے ملک میں جا کر آباد ہوتے ہیں تو وہ اپنے نئے قرار گاہ میں ایک مصنوعی وطن بنالیتے ہیں۔ اپنے وطن کے خیال کو اپنے دماغ میں تازہ رکھنے کے واسطے وہ اپنے نئے شہروں اور دیہات کے نام اپنے اوطان مافوق کے ناموں پر رکھتے ہیں جن میں کہ وہ پہلے آباد تھے اور جنکی یاد کو وہ اپنے صندوق دل سے محو کرنا نہیں چاہتے انکے نئے ملک کے مقامات کے نام بتلاتے ہیں کہ وہ کس ملک سے نکل کر آئے۔ اسکی ایک عمدہ مثال امریکہ

کی آبادیوں میں ملتی ہے۔ جہاں اہل فرنگستان جا کر آباد ہو گئے ہیں۔ یہ لوگ اپنے عزیز شہر کے نام بھی اپنے ساتھ لے گئے۔ اور اپنے شہر کے گھر و مکے وہی نام رکھے جو ان کے قدیمی گھر و مکے نام تھے اگر صاف طور پر ثابت ہوتا ہے کہ حسب الوطنی ایک ایسی چیز ہے کہ جہاں کہیں آدمی جائے اپنے ملک کے نام بھی وہیں ساتھ لے جاتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان دس بنی اسرائیلی قوموں نے بھی اسی حسب الوطنی کا ثبوت دیا ہے۔ افغانستان اور کشمیر میں بہت سے شہر اور اضلاع ایسے ہیں جن کے نام ملک شام کے قدیمی شہروں کے ناموں سے ملتے ہیں۔ مین چیچا ایسے ناموں کی ایک فہرست دیتا ہوں۔ اور امریکہ کے اگر اس امر کی طرف زیادہ توجہ کی جائے تو اور بھی ایسے بہت سے نام نکل آویں گے۔

افغانستان کشمیر وغیرہ کی جگہوں کے نام	کہاں واقع ہیں		قدیمی شام میں سکے ہم نام مقام	قدیمی شام کے نقشہ میں کہاں کہاں واقع ہیں۔		بائبل میں کہاں ذکر ہے
	عرض البلد	طول البلد		عرض البلد	طول البلد	
	شمال	مشرق		شمال	مشرق	
کابل	۳۴° ۱۹'	۶۹° ۱۵'	کابل	۳۲° ۱۵'	۳۵° ۱۲'	سلاطین ل باب ۱۱ میں ذکر ہے
پونچھ	۳۳° ۵۲'	۷۴° ۱۳'	قونیشیا	۳۲° ۱۳۰	۳۵° ۲۵'	
زیدا	سرخدہ		زایدین اور زیدین	۳۳° ۳۴'	۳۵° ۲۲'	باب ۲۸ آیت قاضیوں
حس	لداخ کے نزدیک		حس	۳۵° ۱۱'	۳۵° ۱۳'	
			حمت	۳۲° ۲۵'	۳۵° ۳۵'	
			حس	۳۲° ۵۰'	۳۶° ۳۹'	
گلگت	۳۶° ۱۲'	۷۴° ۱۲'	گلگت تھا	۳۱° ۴۴'	۳۵° ۱۴'	متی ۲۴ باب ۳۵
			گلگال	۳۲° ۱۹'	۳۴° ۵۹'	یشوعا ۲ باب ۱۹ و ۱۰ باب ۵
			گلگال	۳۱° ۵۰'	۳۵° ۳۰'	قاضیوں باب ۸ در دوسری جگہ
تبت	۳۲° ۲۰'	۸۹° ۱۵'	تبت			باب ۸ - تواریخ
لاسہ	۲۹° ۳۰'	۹۲° ۱۱'	لاشا - لیش	۳۴° ۱۶'	۳۵° ۲۰'	باب ۲۱ و ۲۲ قاضیوں
لداخ	۳۲° ۱۰'	۷۷° ۳۰'	لداخ			باب ۲۱ تواریخ
بیج	۳۴° ۱۲'	۷۷° ۳۹'	بھی ایک قلعہ ہے			باب ۱۵ قاضیوں
سورو	۳۲° ۱۰'	۷۶° ۱۰'	شور	۳۰° ۵۵'	۳۳° ۱۵'	باب ۲۰ و ۲۱ باب ۱۱
سکیت	۳۱° ۳۰'	۷۷° ۱۰'	سکو تہرہ حال ہے	۳۲° ۵۱'	۳۵° ۳۷'	پیدایش ۳۳ باب ۱ اور دوسری جگہ

(۸) اناجیلی شہادت :- اس بات کی اناجیل بھی تائید کرتی ہیں کہ افغان کشمیری گم شدہ اسرائیلی قبیلوں کی اولاد ہیں کیونکہ اناجیل میں لکھا ہے کہ جب حضرت مسیح پیدا ہوئے تو مشرق کے چند حکما ایک ستارے کی رہنمائی سے ملک شام کو حضرت مسیح کی زیارت کرنے کے لئے گئے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مشرق میں ایسے لوگ موجود تھے جنکو حضرت مسیح کے آئینکا انتظام تھا۔ اور انہوں نے اپنے ظہور کے لئے بعض نشان بھی مقرر کئے تھے۔ سوائے بنی اسرائیل کے کسی قوم کو مسیح کے آئینکا وعدہ نہیں دیا گیا تھا۔ اس سے ثابت ہوا کہ حکما ابھی بنی اسرائیل میں سے تھے۔ جو ایک ستارہ دیکھ کر ملک شام کو مسیح کی زیارت کے لئے گئے۔ جب انہوں نے ستارے کو دیکھا تو انہوں نے نتیجہ نکالا کہ وہ مسیح جسکے ظہور کا یہ ستارہ نشان ہے۔ ملک شام میں پیدا ہو گیا ہے جو کہ بنی اسرائیل کا اصل وطن ہے اسلئے وہ لمبا فاصلہ طے کر کے مسیح کی زیارت کو آئے۔

(۹) قبر کی شہادت :- سرنگر میں ایک قبر ہے جو کہ بنی صاحب کی قبر کے نام سے مشہور ہے یہ قبر بھی میرے نزدیک انکے بنی اسرائیل ہونے کی ایک دلیل ہے۔ لفظ بنی قابل غور ہے۔ اگر یہ حق ہے ہندوستان کا رہنے والا ہوتا تو بدھ یا اوتار یا رکھی وغیرہ ناموں سے مشہور ہونا چاہئے تھا کہ بنی کے نام سے۔ لفظ بنی سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ بنی اسرائیل قوم کا بنی تھا۔ چونکہ بنی کا لفظ اسیر کی بنی پر ہی بولا جاتا ہے مسلمان بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بنی کہتے ہیں مگر یہاں ہمیں مسلمانوں سے تعلق نہیں کیونکہ کشمیر کا بنی مسلمانوں کا پیغمبر نہیں ہو سکتا۔ مسلمانوں کا ایک ہی بنی ہے جو کہ عرب ہی میں پیدا ہوا اور عرب ہی میں وفات پائی۔ پس سرنگر کا بنی ضرور ایک اسرائیلی بنی تھا اور کشمیر کے دار الخلافہ میں ایک بنی کی قبر کا ہونا اس امر کی قطعی شہادت ہے کہ اناجیل کشمیر بنی اسرائیل ہیں اور اس امر پر تعجب نہیں کرنا چاہئے کہ کیونکہ کشمیر میں ایک بنی آیا۔ بنی اسرائیل خدا کی ایک برگزیدہ قوم تھی اور خدا تعالیٰ ہمیشہ انکی طرف بنی بھیجتا رہا۔ اور سرنگر کی قبر بتلا ہے کہ جس طرح خدا تعالیٰ ان باقی ماندہ اسرائیلی قوموں کی طرف سے ملک شام میں رہ گئی تھیں بنی بھیجتا رہا۔ اسی طرح اس نے گم شدہ اسرائیلی قوموں کی طرف بنی بھیجا۔ اگر یہ تو میں غیر ملک میں رہتی تھیں تو اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ وہ اپنے قومی حقوق کھو بیٹھی تھیں اب بھی یہ تو میں ایسی بنی اسرائیل تھیں جیسا کہ وہ پہلی تھیں۔ جبکہ بنی اسرائیل غلاموں کی طرح ملک مصر میں رہتے تھے تو اس وقت خدا تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نبی بنا کر ان کی طرف بھیجا۔ ایسا ہی جب یہ تو میں جلا وطن ہو کر مشرق میں رہتی تھیں تو خدا تعالیٰ نے ان کی طرف ایک بنی بھیجا جسکا مزار محلہ خانیار سرنگر میں اب تک موجود ہے۔

انجیل میں جو چند حکما کا مشرق کی طرف سے ملک شام میں جانا ذکر ہے۔ اس سے

صریحاً معلوم ہوتا ہے کہ مشرقی لوگ ایک نبی کے ظہور کا انتظار کر رہے تھے اور سرنگیری ہمیں بتلاتی ہے کہ خدا تعالیٰ نے ان کی امیدوں کو پورا کیا۔ حق تو یہ کہ مشرقی اسرائیلی قومین شام کے بنی اسرائیل کی نسبت اس بات کی نسبت زیادہ مستحق تھیں کہ ان کی طرف ایک نبی بھیجا جاوے۔ کیونکہ شام میں صرف دو قومین رہتی تھیں اور مشرق میں دس قومین آباد تھیں اگر خدا تعالیٰ نے شام کی دو قوموں کی طرف ایک مسیح بھیجا اپنے وعدہ کو پورا کیا تو کیوں اسے مشرقی دس قوموں کو اس نعمت سے محروم کیا۔ سرنگیری کی قبر شہزادہ نبی یوز آسف کی قبر کہ ہائی ہے کشمیر کے لوگ اور کشمیر کی تاریخ بالاتفاق یہ شہادت دیتے ہیں کہ یہ نبی قریباً انیس سو برس ہوئے کہ شام کی طرف سے اس ملک میں آیا اور کچھ مدت و غلط کرتا رہا آخر اس جگہ وفات پائی اور محلہ خانیار میں مدفون ہوا۔

(۱۰) مشہور محققین کی شہادت :- میں اخیر میں چند محققین کی رائے درج کرتا ہوں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ افغان اور کشمیری بنی اسرائیل ہیں۔ سول اینڈ ملٹری گزٹ لاسور مورخ ۳۳۔ نومبر ۱۹۱۷ء میں ایک مضمون سوانیوں اور فریدیوں کی بابت شائع ہوا تھا جسکو ایڈیٹر نے نہایت ہی قیمتی اور دلچسپ مضمون بیان کیا ہے اس مضمون کا لکھنے والا مسٹر ماس ہولڈنگ اس طرح پر لکھتا ہے۔ ”افغان اپنے آپ کو بنی اسرائیل کہتے ہیں اگر اس قوم کا بنی اسرائیل کے ساتھ قدیمی تعلق نہ مانا جاوے تو پھر یہ بیان کرنا مشکل ہوگا کہ ان میں عام طور پر بنی اسرائیلی نام رائج ہیں۔ ان کا قول کسی سچی بنیاد پر قائم نہیں ہے تو کیا وجہ ہے کہ ان میں بغض یہودیوں کی رسومات پائی جاتی ہیں۔ مثلاً عید فصح کا منانا وغیرہ۔ افغانوں میں جو نہایت ہی تعلیم یافتہ ہیں۔ وہ اپنا بنی اسرائیل ہونا بڑے اصرار سے بیان کرتے ہیں۔ میرے نزدیک افغانوں کا مسئلہ صحیح طور پر اس طرح حل ہوتا ہے۔ اگر یہ مانا جاوے کہ یہ بنی اسرائیل ہیں جو قدیمی راجپوتوں میں مل جاتے۔“

ایچ ڈبلیو بلیو۔ سی ایس آئی۔ اپنی تصنیف اقوام افغانستان کے صفحہ ۱۵ پر لکھتے ہیں ”ان لوگوں کی روایت ہے کہ ہمارا اصل وطن ملک شام ہے جہاں سے نخت نصر میں قید کر کے لے آیا اور فارس اور آمید یہ کے مختلف حصوں میں آباد کیا ان مقاموں سے انہوں نے مشرق کی طرف نقل مکان کیا۔ اور غور کے پہاڑی علاقوں میں آباد ہو گئے۔ اس کی تائید میں بنی اسد اس کی بھی شہادت ہے۔ جو کہتا ہے کہ اسرائیل کی دس قوموں نے آزر ت کے ملک میں پناہ لی۔ یہ خیال کیا گیا ہے کہ آزر ت وہ علاقہ ہے جسکو آج کل ہزارہ کہتے ہیں۔ یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ سمسہ ہی خاندان کے زمانہ میں افغانستان میں ایک قوم رہتی تھی جنکو

بنی اسرائیل کہتے تھے اور ان میں بعض ارد گرد کے ممالک کے ساتھ تجارت بھی کرتے تھے۔ کرنیل جی بی فیلسن سی ایس آئی۔ اپنی کتاب تاریخ افغانستان میں اس طرح پر لکھتا ہے۔ عبدالمد خان اور دوسرے افغان مصنفوں کی پیروی کر کے فیئر صاحب کی یہ رائے ہے۔ کہ افغان دس گم شدہ اسرائیلی فرقوں کی اولاد ہیں۔ اور بھی کئی محققین اس رائے کے ساتھ اتفاق کرتے ہیں چنانچہ سر ولیم جونز جیسا عظیم الشان آدمی بھی یہی عقیدہ رکھتا ہے۔

اے کے جونسٹن افغانوں کی مندرجہ ذیل روایت بیان کرتا ہے۔ ”جب نادر شاہ پشاور میں پہنچا۔ یوسف زئی قوم کے سرداروں نے ایک بائبل اسکے آگے پیش کی جو کہ عبرانی میں لکھی ہوئی تھی اور کئی اور چیزیں بھی پیش کیں جو کہ وہ اپنی قدیمی عبادت میں استعمال کیا کرتے تھے جنکو انہوں نے حفاظت سے رکھا ہوا تھا جو یہودی لشکر کے ساتھ تھے انہوں نے ان چیزوں کو فوراً پہچان لیا۔“ اسی بلفور۔ ایل آر۔ مصنف ان سکلو پیڈیا آف انڈیا۔ لکھتا ہے ”افغانوں کی شکل یہودیوں سے ملتی ہے۔ ایک رسم میں افغان یہودیوں کی پیروی کرتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ چھوٹا بھائی اپنے بڑے بھائی کی بیوہ سے شادی کر لیتا ہے۔ ڈاکٹر میسن بعض رسومات کا ذکر کرتا ہے۔ جو یہودیوں کی رسومات سے ملتی ہیں جو کہ درہ خیبر کے کونون میں پائی جاتی ہیں ان کے بال مشرقی یہودیوں کی طرح ہوتے ہیں۔“

جینس بائی۔ ایم۔ اے۔ ایف جی۔ ایس۔ اپنی کتاب ان سکلو پیڈیا آف جاگرافی میں لکھتا ہے۔ ”تمام سیاح اس بات پر متفق ہیں کہ افغانوں میں اور گرد نواحی قوموں میں بڑا فرق ہے۔ اور سب مان ایک ہی نسل کے معلوم ہوتے ہیں یہ اپنی شکل اور خط و خال میں یہودیوں سے بہت ملتے جلتے ہیں۔“ مصنف اہل کابل کی نسبت ذکر کرتا ہوا کہتا ہے کہ یہ لوگ دراز قد ہوتے ہیں سیاہ آنکھوں نایاب خط و خال والے اور انکے چہرے بالکل یہودیوں کی طرح ہیں۔

ہنری۔ جی۔ اسکلو پیڈیا برطانیہ میں افغانستان پر لکھتا ہوا کہتا ہے کہ اس ملک کی عورتیں یہودیوں جیسی خوبصورت خط و خال رکھتی ہیں اور یہی بات مردوں میں بھی پائی جاتی ہے۔ کے جیمسٹن اپنی کتاب ڈکشنری آف جاگرافی میں کشمیر کی عورتوں کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے۔ ”پورے قد کی اور خوبصورت ہوتی ہیں۔ ان کی ناک ترچھی اور خط و خال بالکل یہودیوں سے ہوتے ہیں۔“ بنس برنیس اپنے سفر نامے میں لکھتا ہے کہ جب میں ملک کشمیر میں داخل ہوا اور پیر پچال سے آگے تو یہ دیکھ کر میں بہت حیران ہوا کہ دیہات کے باشندے بالکل یہودیوں سے مشابہ تھے انکے خط و خال اور وہ ناقابل بیان خصوصیت جسکے ذریعہ سے سیاح مختلف قومیں تمیز کر سکتے ہیں۔ تمام اس بات کی شہادت دیتے تھے کہ یہ لوگ بنی اسرائیل ہیں اور اسے صرف میرا دم ہی نہیں خیال

کرنا چاہئے بلکہ ان لوگوں کا یہودیوں سے شکل میں مشابہ ہونا ہمارے فرقہ خروائیٹ کے پادری اور کئی اور اہل فرنگ نے بھی میرے یہاں آئیے بہت پہلے بیان کیا ہے۔ آرچیبلڈ کاننبل جس برنبرک کے سفر نامے کو فرانسیسی سے انگریزی میں ترجمہ کیا ہے صفحہ ۳۰ پر لکھتا ہے۔ وہ بہت سے اہل کشمیر کا اپنے خط و خال میں یہودیوں سے متشابہ ہونا زمانہ حال کے بہت سے سیاحوں نے بیان کیا ہے۔ والسلام۔

”یسوع کی صلیبی موت پر علمی نظر“

عیسائیوں کے اجماع رائی پی فینی مورنہ ۲ اپریل سنہ ۱۹ء میں ایک صاحب ڈاکٹر ایم بی صاحب لکھتے ہیں کہ یسوع کی موت انشقاق القلب (دل کا خود بخود بغیر بیرونی صدر کے پھٹ جانا) متوقع نہیں اور اپنے بیان کی تائید میں ڈاکٹر سمپسن اور بعض دیگر صاحبان کی سند پیش کی ہو مگر اس بیان کی تصدیق یسوع کی کہانی کے واقعات سے نہیں ہوتی۔ ہر ایک متعصب ڈاکٹر جو ایک لمحہ کھیلے اس مضمون پر غور کرے گا فوراً اس نتیجہ پر پہنچے گا کہ تین یا چار گھنٹے صلیب پر لٹکا رہنے انشقاق القلب سے موت واقع نہیں ہو سکتی۔

انجیل میں یسوع کا قصہ پڑھنے سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ واقعہ صلیب کے دن وہ ایک پورا تہ صبح القویٰ موٹا نازہ تیس برس کا جوان تھا جو باغون اور عمدہ آب و ہوا کی جگہوں میں سیر کیا کرتا کھانے پینے اور پسند و نصیحت میں راکرتا تھا۔ دلیرانہ تقریریں کرنے میں اپنی زندگی فرے سے تھا۔ اس واقعہ سے پہلے وہ کسی مصیبت میں نہیں پڑا تھا۔ فی الحقیقت اناجیل سے اس کا مثلاً وجع المفاصل اور دل کی بیماریاں وغیرہ میں مبتلا ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ صلیب کے وقت بہادری سے مقدمہ کی پیروی کرتا رہا اور جب موت کا حکم سنایا گیا تو اسکو کچھ غش نہیں آیا۔ لکھتا ہے کہ وہ اپنی صلیب آپ اٹھائے ہوئے گلگٹا (مقتل) میں پہنچا جس سے ظاہر ہے کہ اس وقت بھی بوجھ اٹھا کر دوڑ تک چلنے کی طاقت رکھتا تھا۔ برعکس اسکے انشقاق القلب ہمیشہ آدمی کو جب تک دل پیچ رہی ہے بیمار اور کمزور ہوتے ہیں واقع ہوتی ہے (ملاحظہ کرو برٹو کی طب صفحہ ۵۳۰ رابرٹس صفحہ ۶۱۶ اور پیر جلد دوم صفحہ نمبر ۱۲۶)

علامات۔ اب ان علامات کا جو انشقاق القلب میں واقع ہوتی ہیں یسوع کی صلیبی علامات سے کہتے ہیں۔ انشقاق القلب میں دل کے مقام پر بہت سخت درد ہوتا ہے تو منفس میں سخت دقت پیدا ہوتی ہے

کامل پہنچتی ہوتی ہو پسینہ کثرت سے آتا ہے۔ کلا گھٹتا ہو اور سخت درد سر کے بعد کچھ گھنٹوں میں مرجاتا ہے (برسٹو صفحہ ۵۳۹) بعض دفعہ دھڑکا جاتا ہے برعکس اسکے یسوع جب صلیب پر باندھا گیا تو اپنی والدہ اور حواریوں اور دو چورون سے بخوبی باتیں کرتا رہا۔ بالآخر اس نے کہا کہ مجھ پر یاسر لگی ہے چنانچہ اسکو سرکہ پلایا گیا۔ پھر اس نے کہا کہ اب وقت آگینا ہے اور سر جھکا کر جان دیدی (یوحنا) یسوع چلا کر بولا اور پھر جان دیدی (امتی) اور یسوع جب بلند آواز سے چلا چکا تو اس نے کہا کہ باپ اپنی روح تیرے ہاتھ دیتا ہوں۔ اور یہ کہہ کر جان دی (لوقا) اسے ظاہر ہو کہ یسوع کو نہ تنفس میں دقت معلوم ہوئی اور نہ سیدھے میں درد ہوا اور نہ سچینی ہوئی اور نہ کامل پہنچتی ہوئی جیسا کہ کتب طب میں انشقاق القلب کے علامات میں لکھا ہے۔

علامات بعد الموت۔ مسٹرام بی نے اپنے خیال کی تائید میں خون اور پانی پر جو یسوع کی پسلی سے نکلا تھا بہت زور دیا ہو اور خیال کرتا ہے کہ یہ انشقاق القلب کا بڑا بھاری ثبوت ہو اسکا مطلب وہ یہ بیان کرتا ہے کہ جب دل بھٹ گیا تو خون دل کے غلاف میں اکٹھا ہو کر جھگیا اور بعد میں خون کا لٹکھرا اور پانی دو حصوں میں تقسیم ہو کر باہر نکل آیا۔ یہ امر بالکل ناممکن ہو کہ یسوع کے بظاہر جان دینے اور سپاہیوں کے بھال چھونکے درمیانی وقفہ میں جو بہت کم ایک گھنٹہ سے بھی زیادہ نہ تھا ایسی جلدی منجمد ہو گیا ہو۔ ٹیلر اپنی ٹکیل جو رسپروڈنس جلد اول صفحہ ۵۱۷ میں لکھتا ہے۔ کہ خون مردہ جسم میں نسبت بیرونی ہوا کے دیر میں جمتا ہے۔ چنانچہ ۴ سے ۸ گھنٹہ تک سیال حالت میں رہتا ہے۔ بکسٹر ڈان صاحب لکھتے ہیں کہ بارہ گھنٹہ تک نہیں جمتا۔ اور ۴ گھنٹہ سے کم میں کسی صورت میں نہیں جم سکتا۔ کارپنٹر صاحب اپنی فیزی آلوجی صفحہ ۱۸۷-۱۸۹ میں لکھتے ہیں کہ بعض حالتوں میں مردہ جسم میں خون بالکل نہیں جمتا اگر جمتا ہے تو پورا نہیں جمتا اس سے ظاہر ہوا کہ مسیح کے جسم میں جان نکلنے کے بعد ایسی جلدی خون نہیں جمتا تھا۔ برسٹو صفحہ ۵۳۹ میں لکھتا ہے کہ دل کا غلاف بعد از موت خون سے پُر پایا جاتا ہے یعنی کچھ تو پانی اور کچھ خون جما ہوا ایک تھیلی کی شکل میں دل کے گرد ہوتا ہے اگر فرض بھی کر لیں کہ دل بھٹ گیا تھا۔ اور خون کے باہر دو حصے ہو گئے تھے یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ جبے ہوئے خون کی وہ تھیلی جو دل پر لپٹی ہوئی ہے وہ سپاہی کے برچھے کے چھوٹے سوراخ سے فوراً باہر نکل آئے۔ ڈاکٹر ام۔ بی صاحب مہربانی فرما کہ اس معما کو حل کریں۔ یوحنا کہتا ہے ”ایک سپاہی نے برچھے سے اس کی ایک جانب چھیدی اور فوراً دھان سے خون اور پانی نکل آیا“ اس میں لفظ ”جانب“ اور ”فوراً“ کا قابل غور ہے۔ ڈاکٹر ام۔ بی بلاوجہ جانب سے مراد بائیں جانب لیتا ہے اور خصوصاً دل کا مقام۔ گویا کہ سپاہی علم ڈاکٹری میں خوب ماہر تھے

اور جانتے تھے کہ موت کا باعث کہاں واقع ہے اور اسلئے انہوں نے ٹھیک دلیہ پر چھاما مارا۔ ہم کو یہ نہ جانب سے دائیں جانب مراد لین یا پیٹ اور بغل مراد لین۔ لفظ فوراً کے ظاہر ہے کہ چھپا چھپتے ہی معافوں اور پانی باہر نکل آیا اور جسم ہوئے خون کی تھیلی کا اتنی جلدی ایسے چھوٹے سوراخ سے باہر نکل آنا غیر ممکن ہو۔ مزید برآں اگر خون جم ہی گیا تھا تو پہلے پانی نکلنا چاہئے تھا نہ کہ خون کیونکہ ایسی حالتوں میں ہمیشہ پانی پہلے نکلتا ہے اور خون کا لو ٹھہرا بیچے۔ لیکن انجیل میں خون پہلے ہے اور پانی پیچھے۔ مذکورہ بالا بیان سے صاف ظاہر ہے کہ سائنس کی تحقیقات کے بموجب یسوع کا دل نہیں پھٹا تھا۔ اب دیکھنا چاہئے کہ یسوع کو حقیقت میں صلیب کے وقت کیا صدمہ پہونچا۔ باوجودیکہ صلیب کے واقع سے پیشتر یسوع تندرست طاقتور اور جوان تھا۔ مگر انجیل سے یہ بات ظاہر ہے کہ اس موقع پر اسکے مخالفوں نے اسکو کئی قسم کی تکلیفیں دیں۔ اسکو بیت لگوائے کھانیکو کچھ نہ دیا اور اس کی صلیب اس سے اٹھوائی اسکے ہاتھوں کو کڑی پر بند کر دیا۔ اسکو دھکیلا۔ جس سے اسکو درد بھی ہوا ہوا کا اور تکلیف بھی پہونچی ہوگی اور کچھ خون بھی نکلا ہوگا۔ تاکہ وہ جیلا اٹھا۔ کڑی ایلی ایلی لما سبقتانی یعنی میرے خدا مجھ کو کیوں چھوڑ دیا۔ پھر اسکو پیاس لگی اور سرکہ یا شراب پلائی گئی پھر سر جھکایا اور غشی آگئی۔ اسکے دوست کھڑے تھے۔ اور سیاہی۔ تاریکی اور زلزلہ سے ڈر گئے تھے اور اسکو نیک خیال کرتے تھے۔ چنانچہ انکے داروغہ نے خدا کی حمد کے بعد یہ کہا کہ یہ ایک راستباز مرد تھا (لوقا) انکو یہ بھی معلوم تھا کہ حاکم یسوع کی جان بچا جاتا ہے۔ ایسے وقت یسوع کے دوستوں کو موقع ملا اور اس کی جان بچانے میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کیا اور فوراً کارروائی شروع کر دی یعنی جھٹ پٹ پٹ پٹ لگا لگا اسکو سولی سے اتار لیا اور اسکو ایک کھلے مقبرہ میں لے گئے اسکے زخموں پر مرہم پٹی لگائی گئی۔ اور مقوی دل ادویہ اور خوشبوئیں اسکے پاس چھادیں تاکہ اس کی غشی دور ہو اور جب اسکو اٹھو کی طاقت ہو گئی تو پیشتر سے کہ یہودی جو اپنا سبت منارہے تھے خبردار ہو کر مقبرہ کی حفاظت کرنے کسی دور کے کاؤن میز اسکو لے گئے وہاں جب اسکو آرام ہوا تو وہ ان حواریوں سے ملا جو اس راز میں شریک نہ تھے تاکہ انکو یقین دلائے کہ صلیب کی لعنتی موت سے وہ بچرانا طور سے بچ گیا اور انکو اپنے زخمی ہاتھ دکھائے پچھلی وغیرہ کھائی اور زندہ آدمیوں کی طرح کاروبار میں مشغول ہوا۔

مذکورہ بالا بیان کا علمی ثبوت حسب ذیل ہے۔

اول۔ تاریخ سے ثابت ہے کہ یسوع کے وقت میں صلیب کے موت بہت دیر میں واقع ہوتی تھی کئی دنوں تک مصلوب بھوک پیاس اور درد اور ضعف وغیرہ میں مبتلا ہو کر مر جاتا تھا۔ مزید برآں ایسے واقعات بھی پیش آتے تھے کہ دو تین روز مصلوب رہنے کے بعد بھی بچ جاتا تھا ایسی

حالتوں میں کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ یسوع تین چار گھنٹے سولی پر چڑھے رہنے سے ایک بیک مر گیا ہو؟ نہ کوئی عضو ٹیسیہ بیمار یا مضر و پگھلا اور نہ اس کی ٹانگیں توڑی گئی تھیں۔ بات یہ ہے کہ جان دینے سے مطلب غشی کا ہونا ہے اور اپنے دشمنوں سے بچنے کے واسطے ہوش میں آکر بھی وہ چپ چاپ پڑا ہو یا ممکن ہے کہ آخری وقت میں جب اسکو سرکہ پلایا گیا تو اس میں کوئی مسکرانے والا فیون وغیرہ جس سے وہ بیہوش ہو جائے دیا گیا ہو کیونکہ یوحنا لکھتا ہے کہ سرکہ پینے کے بعد فوراً اس نے جان دیدی۔ یقین ہے کہ اسکے دولت مند مرید یوسف نے جو آرمینیا کا رہنے والا تھا کوئی ایسی تجویز اپنے مرشد کے بچانیکے لئے کی ہوگی۔

دوم۔ لیکن ایک سپاہی نے اس کی جانب میں برچھا چھو یا اور فوراً خون اور پانی نکل آیا۔ (یوحنا ۱۹: ۳۴) اس کلام میں فوراً کے لفظ سے صاف ظاہر ہے کہ زندہ خون جو قلب کی حرکت سے جلد میں دوران کر رہا تھا اسکے جسم سے فوراً کے کی طرح فوراً چھوٹ پڑا۔ جیسا کہ زندہ جسم میں ہمیشہ ہوتا ہے۔ جب خون نکل چکا اور برچھا کچھ اور اندر گھسا تو پانی نکلا یا غالباً مثلاً یا اگر وہ سے یا کسی رسولی وغیرہ سے نکلا ہوگا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ معدہ سے آیا ہو کیونکہ یسوع نے اسی وقت سرکہ پیا تھا۔ اور معدہ کے زخموں سے ہمیشہ موت واقع نہیں ہوتی۔

سوم۔ یوحنا کی بیسویں فصل سے صاف ظاہر ہے کہ دو دن کے بعد اسکا جسم مقبرہ میں نہیں پایا گیا لیکن اور رومال موجود تھا لیکن جسم نہیں تھا۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ کوئی شخص یسوع کو بھیس بدلوا کر لے گیا۔ ”میں ابھی باپ کے پاس نہیں چڑھا“ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اسکا جسم زمین پر زندہ موجود تھا اور یہ ہم پہلے لکھا ہے کہ جسم مقبرہ میں نہیں تھا تو معلوم ہوتا ہے کہ زمین پر کسی جگہ تھا۔ اُس نے ان کو اپنے ہاتھ اور اپنا پہلو دکھایا جس سے ظاہر ہے کہ وہ جسم عنصری کی صورت میں جس پر زخموں کو نشان موجود تھا دکھائی یا نہ کہ روحانی صورت میں۔ ”اس نے اُن پر پھونکا“ جس سے ظاہر ہے کہ وہ سانس لیتا تھا اور اسکے پھیپھے اور دل باقاعدہ کام کرتے تھے۔ ”اس نے انکو کہا“ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بول سکتا تھا۔ اور اسکا دماغ صحیح کام کر رہا تھا۔ پھر اس نے ٹامس سے کہا کہ اپنی انگلی لاؤ اور میرے ہاتھوں کے نشان دیکھا اور ہاتھ اُدھر کر اور میرے پہلو کو دیکھ بھال اور بے ایمان مت بن بلکہ یقین کر کہ میں وہی ہوں“ جس سے صاف ظاہر ہے کہ جسم اور روح صلیب کے واقع کے بعد موجود تھے نہ کہ صرف روح +

چہارم۔ یوحنا کی اکیسویں فصل میں لکھا ہے کہ ان باتوں کے بعد یسوع پھر اپنے حواریوں کے روبرو بھر پوری پر ظاہر ہوا۔ اور یسوع نے انکو کہا کہ کچھ کچھ کھیتیں۔ یسوع پھر

آیا اور کھانا کھایا اور انگودیا اور اسی طرح پچھلی بھی تقسیم کی۔ "مجھے یقین ہے کہ یہ خواب نہیں تھا۔ اور یسوع کھانا اور پچھلی کا کباب تو شکر ہے مین جس سے اسکے معدہ کی قوت اور بھوک کی شدت عیان ہے۔ اور بیچارے سادہ لوح عیسائی اب تک اس خیال مین مین کہ وہ مردوں سے جی اٹھا تھا۔ افسوس ہے کہ بیسویں صدی جیسے علم و حکمت کے زمانہ مین بھی لوگ ایسا عقیدہ رکھتے ہیں اسی ایپی فینی کے دوسرے مقام مین اڈیر صاحب کو مسیح کی صلیب کی موت مین شک پیدا ہوا ہے۔ اور ایسوجہ سے انہوں نے ایک نئی تھیوری مسیح کی موت کی نسبت قائم کی ہے۔ وہ یہ ہے کہ ان مصالح حیات اور ادویات کے بوجھ سے جو قیر مین رکھی گئی تھیں سانس رک کر موت واقع ہوئی۔ یوحنا کی بیسویں فصل سے ظاہر ہے کہ قیر اس قدر کشادہ تھی کہ آدمی اندر داخل ہو کر دیکھ بھال سکتا تھا جیسا کہ پطرس نے کہا۔ مین پوچھتا ہوں کیا یہ نامکن ہے کہ سو پونڈ مر () ایک ایسے بڑے کمرے مین پھیلا دے جہاں مین اور کسی ایک آدمی کا بھی دم نہ گھٹے جو وہاں بیٹھے ہوئے ہوں اور نہ میری رائے مین ان پٹین سے جو اسکے سر اور ماتھے پاؤں پر بزدھن تھیں اسے کچھ تکلیف ہوئی۔ بلکہ میرے خیال مین مرہم پٹی سے یسوع کے زخموں کو آرام ملا۔ اور اس کی غشی بھی مصالح حیات سے دور ہو گئی۔ + راقم ایل۔ ایم۔ ایس

”ضروری عرضداشت و شکریہ ساقیین“

کثرت اشاعت و اعانت میگزین کے متعلق جس قدر حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تاکید فرمائی ہے اس تاکید ارشاد کے پرزور الفاظ کا اعادہ بغرض انکا ہی جملہ اجباب و برادران گذشتہ پیرستہ پرچہ جات میں شواہر کیا جاتا رہے اور جن پرچہ شہ باہمت و فطرت اجاب نے اس کار خیر میں محض بغیر اعتناء لمضامہ خاص حصہ لیکر الگ معتد بہ رقم سے اعانت فرمائی جو ان کی ایسی امداد کا تذکرہ بھی خاص شکریہ کے ساتھ پچھلے پرچہ جات میں ہونا رہا ہے بعض برادران کی تازہ خدمات و امداد از سر نو ایسے شکریہ کا تازہ موقعہ دیا ہے۔ جناب منشی عبدالعزیز صاحب عرف حمزہ وزیر خالص صاحب ملک برہان نے حال ہی میں ایک سو پچاس روپیہ بطور امداد بھیجا ہے۔ یہ صاحب پہلے حضرت اقدس کے ارشاد کی تعمیل میں کئی سو روپیہ کی امداد میگزین میں دیکھے ہیں۔ علی ہذا القیاس چودھری سرفراز خان و کرم الہی صاحبان بدو ملکی ضلع سیالکوٹ بھی خاص شکریہ کے مستحق ہیں جنہوں نے اب یکیشٹ اپ کی امداد فرمائی ہے۔ اصل میں چودھری صاحبان تین سو پچاس روپیہ امداد میگزین کیلئے لائے تھے۔ مگر ان کی ضروریات موجودہ کو دیکھ کر دو سو روپیہ امداد لنگر میں دیدیا۔ اور ایک سو پچاس روپیہ امداد میگزین کے حصہ میں آیا۔ ہر سہ برادران نے ہمدردی و اخلاص و ہمدی کا ایک تازہ قابل تقلید نمونہ دکھلایا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو اس امداد فی سبیل اللہ کی بڑے خیر دیو سے اور دیگر جملہ برادران کو ایسے نقش قدم پر چلنے کی توفیق بخشے اور انکی روح دروان کو ایسے جوش اور ہمدردی سے بھر دے کہ وہ پیارے امام صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فرمان پر ایسا مال و بیان شمار کرتے ہوئے اس کار خیر میں وہ ہمت دکھلاوین کہ حضرت اقدس کی فرمائی ہوئی تسادک رسالہ کے جلدی پہنچنے میں کوئی دقت پیش نہ آوے۔

حضرت اقدس کے تاکید ارشاد کی تعمیل اور اس رسالہ کثرت اشاعت کی ضرورت اس امر کی مقتضی میں کہ جلیا جلیب اس قابل قدر نمونہ کی تقلید کر کے حضرت اقدس کے ارشاد کو ہر وقت تازہ ارشاد سمجھ کر اس کی تعمیل میں ہر وقت کو شان میں ان کی یہ نگاہ فی سبیل اللہ کے احسانات و احسان حاصل کر دینا و ریعہ ہوگی۔ تو شہ عقیقہ حاصل کر دینا عین موقعہ ہے۔ رضامندی کی بجائے اس کو مؤثر و مقصد حسنہ نہیں مل سکتا۔ اب وقت کی قدر کر کے سبقت باخیر امتیاز میں اور جن اغراض کے لئے یہ سلسلہ میں اللہ مقرر ہو کر آیا ہے ان اغراض و مقاصد میں اسکی امداد کو کے معیت صادقین کی اعلا منزل کو طے کرین جو حقیقی کامیابی و فائز الہامی کا اصلی ذریعہ ہے۔ اللہ کو کے ایسا ہی ہو۔ آمین ثم آمین والسلام۔

منیجر

کبریت احمر یا جیون بوتلی کے استعمال سے ایک نیا بین تین سیرخون صانع تازہ بدن انسان میں پیدا ہوتا ہے جو ان کی طاقت
 بدن کو مضبوط اور طاقتور خوش رنگ بنانے اور چہرے کی سخی اصلی طاقت و توانائی و تازگی پیدا کرنے والی ہوتی
 ہے۔ یہ ایک ایسا دوا نہیں ہوتی۔ اس کا اثر ان اعضا پر جن پر نسل انسان کی پیدائش کا انحصار ہے بالخصوص جسم نہایت قوی
 ہوتا ہے۔ وہ خوشی جو عورت و مرد کی معاشرت سے حاصل ہوتی ہے اس کو فی الفور حاصل ہوتی ہے کبریت احمر اس کا نام اسی لئے رکھا گیا ہے
 کہ یہ دوا اعضا کے تولید کے پرمردہ قوی کو از سر نو بحال کرنے کے ساتھ زندگی کو میسا بناتی ہے جس سے جسمت فی شیشی
 روغن در دگر دہ۔ در دگر دہ کے دورے اور تکلیفیں ایسی سخت ہوتی ہیں کہ الامان بیگین وغریب روغن در
 بین خاکرب در دگر دہ کی وجہ سے ہو کبریت کا کام دیتا ہے چھوٹے چھوٹے سنگین دن کو توڑ کر اور ریزہ ریزہ کر کے نہایت
 سہولت سے خارج کر دیتا ہے۔ تمام کنکری اور ریت نکل کر در دگر دہ کی نوبت پھر نہیں ہوتی۔ قیمت فی شیشی ۱۰ روپے
 عجیب و غریب مرہم المعروف مرہم عیسے۔ اگر آپ دنیا بھر میں سب سے اچھا پرتاثر تیر ہدف ہر قسم کے
 زخموں۔ جراثیموں۔ چوکنوں۔ گھٹنوں۔ خنازیر سرطان طاعون اور ہر قسم کے خبیث زہریلے پھوڑوں
 پھنسیوں ناسوروں کی گچ خارش بواسیر اور طرح طرح کی جلدی بیماریوں یا خوں کے سردی سے بچنے جانوروں کے
 کاٹ لینے جل جانے اور عورتوں کے خطرناک امراض سرطان رحم وغیرہ کے لئے ہر سال کا مجرب مقدس ہر طبقہ اور
 ہر زمانہ کے حکما کا متفقہ بابرکت علاج چاہتے ہیں تو یہ مبارک مرہم اس کا زمانہ سونگاٹھو جو اسکو ناصر
 اجڑا سے تیار کر نیکا ذمہ دار ہے طبی جہان اسکی کامیاب تاثیرات کا ممنون ہو یہ مشہور فاقی مرہم سونگاٹھو
 مرہم عیسے کے دنیا بھر میں اور کہیں نہ تھا۔ قیمت فی ڈبیہ خورد ۶ روپے ۱۲ روپے ڈبیہ کلان ۲۰ روپے

اعلان: - خلافت راشدہ روشنی دار دوا اور افغان روغن در دگر دہ کی نوبت پھر نہیں ہوتی۔ قیمت فی شیشی ۱۰ روپے

کتاب ۳۰۳ صوفیہ کتب چھپ چکی ہے (حصہ ۱) ۱۲ روپے مولوی عبد الجبار علی شائع ہوا قیمت ۳۰

عبدہ التقویٰ رحمہ اللہ مفت حکیم محمد حسین اینڈ برادر مالکان کا زخما مرہم عیسے نو کھانا لاہور سے طبع رسالہ دین صفحہ ۱۸ مفت

”ضروری استعداد“

جن جن برادران طریقت کو کسی انگریزی دوائی پیٹنٹ کی ضرورت ہو یا وہ کوئی انگریزی نسخہ
 تیار کرنا چاہیں اور اپنے مقامی اسٹیشن میں کسی انگریزی دوائی خانہ کے نہ ہونیکے باعث انہیں
 کسی اور شہر سے ادویات منگوانی پڑیں وہ بجائے کسی اور جگہ لکھنے کے ادویات فرانسیسی طبع کلکٹور بشا اور انگریزی
 سونگوائین۔ یہ دکان کبریتوں پر انہیں نقصان نہیں اور دکان کا فائدہ اور ایک بجائی کی مدد۔ المشہر خواجہ

فیض الاسلام پریس قادیان میں باہتمام حکیم مولوی فضلہ مینا طبع ہوا۔

کمال الدین وکیل شاہ